File C:\Documents and
Settings\riaz\Desktop\ornate_old_frame.bmp not found.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الایمان: ۴۵

بچوں کو قرآنی واقعات سے نصیحت

تصنیف

عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی

مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

(استاذِ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)

ناشر

عظیم بک ڈپو، جامع مسجد دیوبند، یوپی، انڈیا۔

حق طباعت غیر محفوظ
(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ بچوں کو قرآنی واقعات سے نصیحت

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

سنہ طباعت:۔ ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ

تعداد اشاعت:۔ ۵۰۰

کمپیوٹر کتابت:۔ محمد کلیم الدین سلمان قاسمی۔9963770669

قیمت:۔

ناشرین:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

☆☆ ملنے کے پتے ☆☆

☆ آفس میٹ، روبرو مہدی فنکشن ہال، لکڑی کا پل، حیدرآباد۔9391399079

☆ مکتبۂ کلیمیہ، رحمٰن کامپلکس، یوسفین چوراہا، ناملی، حیدرآباد۔9885655501

☆ صدیقی بک ڈپو، حافظ منزل، مدینہ نگر، ناندیڑ، مہاراشٹرا۔

نوٹ:۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں کے کتب خانوں میں دستیاب ہے۔
دینی مدارس کی خواہش پر لیٹر پیاڈ کے ثبوت پر پانچ کتابیں مفت دی جائیں گی۔

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اسلام دین ہے مذہب نہیں	4	حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کے واقعہ کی حقیقت	86
انسان اور جن ہدایت کے محتاج ہیں	6	حضرت ذوالقرنین کی زندگی سے نصیحت	94
قرآن مجید کی عظمت	8	حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ملنے والی نصیحت	96
قرآن مجید کی ایک سورۃ بھی کوئی نہیں بنا سکا	9	فرشتوں کو ذکر واذکار پر فضیلت نہیں ملی	102
قرآن وحدیث کے احکام کا مختصر بیان	10	خلافتِ ارضی کے لئے علم کا ہونا ضروری	102
دوسرے مذاہب میں کونسی تعلیم نہیں؟	13	جنت میں رکھ کر تربیت کی گئی	104
سورۂ لہب پر غور وفکر: اسلام دشمنی کا انجام!	15	انسان تقدیر کا پابند ہے	107
سورۂ کوثر پر غور وفکر: خیر کثیر کیا ہے؟	29	حضرت آدمؑ کے جنت میں رہنے سے انسان	
سورۂ کہف پر غور وفکر: ایمان کی حفاظت	47	اعلیٰ تمدن سیکھا جو اولاد میں منتقل ہوا	108
دجال سے پہلے ہر زمانہ کے نئے نئے فتنے	49	سورۂ توبہ میں مومن اور منافق کا فرق	110
اصحاب کہف کی زندگی سے ملنے والا سبق	54	دشمنوں کیلئے مخبری نہ کرنا، حضرت حاطبؓ	
سورۂ کہف میں دو انسانوں کی مثال	69	کے واقعہ سے عبرت ونصیحت	123
خوشحالی آنے کے بعد مؤمن وکافر کی ذہنیت	69	آدمؑ کے دو بیٹوں کے واقعہ سے نصیحت	127
قارون کا غرور: دولتمندی کا نشہ وغرور	74	دین میں بدعت وگمراہی پیدا کرنے والوں	
ثعلبہ کا زکوٰۃ دینے سے انکار	79	کی تباہی (گناہ کے کاموں کی ایجاد کرنا)	133
نعمتوں پر اعتراف کرنا ایمانداری	81	واقعۂ افک: بی بی عائشہؓ پر جھوٹی تہمت	
شکرگذار بننے کے طریقے	81	کے واقعہ سے نصیحت	134
انسان کو اپنی پستی کی حالت نہیں بھولنا چاہئے	83		
بنی اسرائیل کے تین غریب معذور انسانوں			
(اندھا، کوڑھی، گنجا) کا واقعہ	83		

اس کتاب کو قیمت سے حاصل کرنے کے لئے عظیم بک ڈپو دیوبند سے ربط پیدا کیجئے۔ 09997177817

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم o

اسلام دین ہے مذہب نہیں!

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔(ال عمران:۱۹)

اسلام دین ہے مذہب نہیں! انگریزی میں دین کے لئے کوئی موزوں لفظ نہ ملنے کی وجہ سے اُسے دوسرے مذاہب کی طرح Religion کہا جاتا ہے، یہ لفظ صرف غیر مسلموں کو سمجھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، مگر اسلام دین ہے مذہب نہیں۔

پیارے بچو! اب ذرا سمجھو کہ مذہب اور دین میں کیا فرق ہے؟

انسانوں کو زندگی گذارنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلایا جاتا ہے اُسے ''دین'' کہتے ہیں اور جو زندگی گذارنے کا طریقہ انسانوں کی طرف سے بتلایا جاتا ہے اُسے ''مذہب'' کہتے ہیں، اس طرح سوائے اسلام کے دوسرے تمام مذاہب ''مذہب'' ہیں دین نہیں، پوری دنیا میں دین صرف اسلام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ۔** اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔(ال عمران:۱۹)

☆ دوسرے تمام مذاہب یا تو انسانوں کی طرف سے بنائے گئے ہیں یا پہلے آسمانی دین تھے، ان میں تبدیلیاں کر کے تحریف کر دیا گیا اور انسانی خیالات اور باتوں کو آسمانی دین میں ملا دیا گیا، اس لئے اب وہ اصلی شکل میں دین نہیں بلکہ مذہب بن گئے ہیں، اور مذہب کی شکل میں باقی ہیں، اللہ نے پچھلے تمام آسمانی ادیان کو منسوخ کر دیا ہے اور اسلام کو دین کہہ کر انسانوں کے لئے پسند فرمایا اور اس دین کی قیامت تک حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اس لئے یہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اصلی حالت میں محفوظ ہے۔

☆ اس وقت دنیا میں جن کتابوں کو لوگ آسمانی کہتے ہیں ان میں تورات، انجیل اور زبور ہیں مگر وہ اصلی حالت میں نہیں ہیں، ان میں اللہ کا کلام، پیغمبر کا کلام، پیغمبروں کے

صحابہ کا کلام اور واقعات، مفسروں کی تفسیر اور قوموں کے تاریخی واقعات سب کچھ ملے ہوئے ہیں، اس میں خدا کے کلام کو پہچاننا بہت مشکل ہے، پھر یہودی وعیسائی علماء نے بہت ساری باتیں اپنی طرف سے بے حیائی و بے شرمی کی بھی اس میں اضافہ کردی ہیں۔

☆ قرآن مجید ایسی حالت میں نہیں قرآن مجید صرف اللہ کا کلام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث باقاعدہ قرآن مجید سے ہٹ کر احادیث کی کتابوں میں ہے، قرآنی الفاظ کے ساتھ نبی کا کلام ملا ہوا نہیں ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سیرت النبیؐ کے نام سے علاحدہ ہے، صحابہؓ کے اقوال اور ان کی زندگیاں علاحدہ علاحدہ لکھی گئیں، مفسروں کی تفسیر قرآنی آیات سے علاحدہ لکھی گئی ہیں، اسلامی تاریخ کے واقعات تاریخ اسلام کے نام پر علاحدہ ہیں۔

☆ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں ان کی اصلی زبان جس زبان میں وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں وہ زبان ان کتابوں میں موجود نہیں، صرف دوسری زبانوں میں ترجمے ہیں، جس سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا نہیں۔

☆ اس کے برعکس قرآن مجید اپنی اصلی زبان میں محفوظ ہے، عربی زبان میں نازل ہوا ہے، عربی زبان آج تک زندہ زبان کی حیثیت سے محفوظ ہے اور انشاء اللہ محفوظ رہے گی اور جتنے ترجمے کئے گئے ہیں اس کی اصل زبان کو اسی طرح لکھ کر نیچے یا ایک جانب ترجمے لکھے گئے ہیں، اگر ترجمہ میں کوئی شک آجائے تو اصلی لفظ کے معنیٰ آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں، پھر پوری دنیا میں ساڑھے چودہ سو سالوں سے لاکھوں انسان قرآن مجید کے حافظ گذرے اور موجود ہیں، پوری دنیا میں اس کو ایک ہی انداز پر مخارج ادا کر کے پڑھا جاتا ہے، اس کے پڑھنے کا ایک منفرد انداز ہے، جیسا نازل ہوا ویسا ہی لفظ بہ لفظ محفوظ ہے۔

☆ اس کے برعکس دوسری آسمانی کتابوں کا ایک بھی حافظ نہیں اور نہ اس کو اس کی اصلی زبان میں پڑھا جاتا ہے، کوئی انگریزی، کوئی تلگو، کوئی ہندی، کوئی فرنچ اور کوئی ٹامل میں پڑھتے ہیں، ان کے پڑھنے کا کوئی اصول وطریقہ اور ادب نہیں، قرآن مجید اور نماز پوری

دنیا میں عربی میں ہی پڑھے جاتے ہیں، چاہے پڑھنے والا کوئی بھی زبان بولنے والا ہو اس کو اس کے پڑھنے اور سیکھنے میں مشکل نہیں ہوتی، پھر اس کے معنی جاننے اور اُسے سمجھنے کے لئے لوگ اپنی اپنی زبانوں میں لکھے ترجمے پڑھ لیتے ہیں، پورے رمضان المبارک میں کم سے کم ایک قرآن مجید نمازِ تراویح میں سنایا جاتا ہے۔

پورا دین اسلام قرآن وحدیث میں پھیلا ہوا ہے، بہت سارے احکام قرآن مجید میں بیان کردئے گئے، ان کی بہت ساری تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کردی گئی، جو باتیں اور جو مسائل قرآن وحدیث میں کھلے طور پر نہیں ملتے انہیں فقہ کے ذریعہ سمجھایا گیا تاکہ انسان ہر زمانہ اور ہر ملک میں دین پر آسانی سے عمل کرسکیں۔

انسان اور جن زندگی کے ہر قدم پر ہدایت ورہنمائی کے محتاج ہیں

انسان اور جن کو مذہب کی ضرورت اور محتاجی اس لئے ہے کہ وہ اپنی عقل سے زندگی گذارنے کی رہنمائی حاصل نہیں کرسکتے، اگر انہیں رہنمائی وہدایت نہ ملے تو گمراہ ہوکر اللہ کے باغی بن جاتے اور دنیا میں فساد برپا کردیتے ہیں، جس طرح انسان جسم کو زندہ وباقی رکھنے کے لئے زمین سے نکلنے والی چیزوں کا محتاج ہے اسی طرح روحانی زندگی کے لئے آسمان سے وحی کے ملنے کا محتاج ہے، آسمانی وحی کی ہدایت ورہنمائی کے بغیر وہ دنیا میں صحیح عقیدہ اور صحیح عمل والی زندگی نہیں گذار سکتا، دنیا امتحان گاہ ہے، اس کو یہاں اللہ کو بغیر دیکھے صحیح پہچاننا، ماننا اور اطاعت کرنا ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب جو انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں انہوں نے پیغمبر اور وحی کا انکار کرکے اپنے گمان اور عقل سے اللہ کی پہچان ہی کو غلط کروادیا اور انسانوں کو غیر فطری طریقۂ زندگی کی تعلیم دیدی، یا وحی کے احکام تبدیل کرکے شرکیہ عقائد واعمال سکھادئے، مخلوق کو خدا کی جگہ بیٹھادیا اور خدا کو مخلوق جیسا بنادیا، اسلام نے انسانی فطرت کے مطابق عقیدہ واعمال کی تعلیم دی اور انسانوں کو خدا اور مخلوق میں فرق بتلایا اور یہ تعلیم دی کہ انسان اپنا عقیدہ، اپنا عمل، اپنے خیالات، اپنی

آرزوؤں، تمناؤں، خواہشات، اپنے رسم و رواج، اپنے معمولات، اپنے اخلاق اور اپنا طرزِ زندگی سب کچھ رب چاہے انداز پر کریں، من چاہے انداز کو چھوڑ دیں، اپنی وفاداریاں اپنی ساری دلچسپیاں اور فرمانبرداریاں اللہ کے علاوہ کسی سے نہ رکھے، اللہ سے بڑھ کر کسی چیز سے محبت نہ کرے، دین کو خالص اللہ کے لئے کر لینے کی تعلیم دی۔

ﷺ

دین اسلام دراصل نظامِ زندگی کا نام ہے

قرآن مجید انسانی کلام نہیں ہے، اللہ جو انسانوں اور تمام مخلوقات کا خالق ہے، اس نے انسانوں کو دنیا میں زندگی گذارنے کے احکام دئے اور طریقے بتلائے وہی صحیح رہبری کرسکتا ہے، انسان کو دنیا کی زندگی میں عقائد، معاملات، اخلاقیات، معاشرت وغیرہ کی تعلیم نہ ملے تو وہ مذہب انسان کے لئے بیکار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے آخری وحی قرآن نازل کر کے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ ان کا عقیدہ اللہ کے ساتھ کیسا ہو؟ اللہ کی عبادت کیسی کریں؟ لوگوں سے معاملات کیسے ہوں؟ لوگوں کے حقوق کیسے ادا کریں؟ کونسی چیز حلال اور کونسی چیز حرام ہے؟ اخلاق کس چیز کا نام ہے؟ کمائی کیسے کی جائے اور خرچ کیسے کیا جائے؟ انصاف کرنے کا طریقہ کیا ہو؟ جرائم کی سزائیں کیسی ہوں؟ زندگی گذارنے کا نظریہ کیا ہو؟ دنیا میں رہتے ہوئے انسان اور جن آخرت کی تیاری کیسے کریں؟

انسان کو آخرت کی کامیابی کی فکر کرنی ہوگی، کوئی آخرت سے غافل رہتا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کی آگ میں رہے گا، جو آخرت میں کامیاب ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کی نعمتوں میں رہے گا، آسمانی دین میں نظریۂ حیات، طریقۂ زندگی کی تفصیلی ہدایات اور اللہ کی بندگی کے طریقے ہونا ضروری ہے، یہی سچا آسمانی دین ہوگا، قرآن مجید ان تمام باتوں کی صاف صاف تعلیم دیتا ہے اور حق و باطل کو کھول کر بیان کرتا ہے؛ تاکہ انسان شیطان کی گمراہی سے بچ جائے۔

☆☆☆☆☆

قرآن مجید کی عظمت

قرآن مجید ہم انسانوں کے لئے اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ بنایا ہے، تمام پیغمبروں کے معجزے ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوگئے، ان کی امت ان کے معجزات سے اب فائدہ نہیں اٹھا سکتی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ آپ کی زندگی کے بعد اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور قیامت تک انشاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امتی اس آخری وحی سے فیضیاب ہوں گے، اس کی برکتیں اور نورانیت دنیا میں دیکھیں گے، اس معجزہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی قراء ت میں وہ کشش اور لطف ہے جو دنیا کی موسیقیوں میں اثر نہیں، اس کے الفاظ کے معنیٰ میں ہر لفظ کے اندر علم کے سمندر ہیں، اور آج ساڑھے چودہ سو سالوں سے کوئی اس کے الفاظ کی تفسیر آخری ہے نہیں کہہ سکا، ہر زمانہ میں اس کے علوم کھلتے ہی گئے، اس کلام پر عمل کرنے والے دنیا کے مثالی اور بہترین انسان بن گئے، یہ کتاب تمام کتابوں کی سردار ہے۔

☆ قرآن مجید جس جس جگہ نازل ہوا وہ جگہ پوری دنیا میں مقدس بن گئی، جس ذات پر نازل ہوا وہ تمام انبیاء علیہم السلام میں افضل بن گئے، آسمان دنیا میں بیت المعمور پر نازل ہوا تو وہ مقدس بن گیا، پھر جس فرشتے کے ذریعہ بھیجا گیا وہ فرشتہ مقدس بن گیا، جس شہر پر نازل ہوا وہ شہر مقدس بن گیا، جس مہینہ میں نازل ہوا وہ مہینہ مقدس بن گیا، جس رات میں نازل ہوا وہ رات مقدس بن گئی، اور جن لوگوں نے اس کو پڑھا، عمل کیا اور اس سے چمٹ گئے وہ لوگ قیامت تک کے انسانوں کے لئے نمونہ اور مثالی بن گئے۔

☆ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنا کر قرآن مجید پر ایمان لانے کا موقع عطا فرمایا، اس لئے اس کی ہمیں پوری پوری قدر کرنی چاہئے، اس کا پورا پورا حق ادا کرنا ضروری ہے، اس کا حق ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ اس کتاب میں کیا کیا باتیں بیان کی گئی ہیں۔

قرآن مجید کی ایک سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا

وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ۔ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:۔اگر تم اس کتاب کے بارے میں کچھ شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنالاؤ۔

انسان دن رات مٹی سے فائدہ اٹھاتا، مٹی سے برتن بناتا، اینٹیں بنا کر گھر بناتا، مٹی میں زراعت کر کے درخت و پودے حاصل کرتا، مٹی کو زرخیز اور طاقتور بنانے اس میں کھاد ڈالتا اور اس کو پانی پہنچاتا ہے، وہ خود بھی مٹی سے پیدا ہونے والی غذائیں کھا کر زندہ رہتا ہے، گویا وہ مٹی سے نکلنے والی غذاؤں کے رس کا مجموعہ ہے، مگر انسان مٹی سے کسی جاندار کو بنا کر اس میں جان نہیں ڈال سکتا، یہ اس کے بس کی بات نہیں، وہ اس معاملہ میں مجبور محتاج ہے۔

بالکل اسی طرح عرب علاقوں میں انسان زبان عربی سے دن رات فائدہ اٹھاتا ہے، وہ ہر دن اسکول مدرسہ اور کالجس میں عربی زبان کی کتابیں پڑھ کر ماہر تعلیم بنتا ہے، اپنی حکومت اور دفاتر کے سارے کاروبار عربی زبان میں کرتا ہے، اپنے خیالات کا اظہار عربی زبان میں کرتا ہے، عربی زبان میں لکھتا پڑھتا اور تقاریر کرتا ہے، عربی زبان میں کتابیں لکھتا اور شاعری کرتا ہے، غرض اٹھتے بیٹھتے، گھر کی بول چال اور گفتگو عربی میں کرنے کے باوجود وہ جس طرح مٹی سے جاندار بنانے کے لئے مجبور ومحتاج ہے اسی طرح انسان عربی دان ہو کر قرآن مجید کی ایک سورت بنا نہیں سکتا، قرآن نے چودہ سو سالوں سے تمام انسانوں کو چیلنج دیا ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا لاؤ مگر باوجود عربی داں ہونے کے، فصاحت و بلاغت کا زعم رکھ کر کوئی سورۃ نہیں بنا سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کعبۃ اللہ پر چیلنج کے طور سورۂ کوثر کو لکھ کر لگا دیا گیا تھا کہ کوئی اس جیسی چھوٹی سورت بنالائے، کسی نے تو اس جیسی سورت نہیں لکھی مگر عربوں کا ایک بہت بڑا شاعر اس سورت کے ختم پر رات کے وقت آ کر یہ جملہ لکھا ''مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ'' یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کے احکام کا مختصر بیان

انسانی زندگی کے دو حصے ہیں، ایک دنیا کی زندگی دوسری آخرت کی زندگی، قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں انسان کو دنیا میں زندگی گذارنے کے پورے احکام بتلائے گئے اور آخرت کی زندگی سے پوری طرح واقف کروایا گیا، پورے دین کا خلاصہ توحید، رسالت اور آخرت ہے۔

☆ دنیا کی حقیقت بتلاتے ہوئے دنیا کو دار العمل بتلایا گیا، یعنی دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے، دنیا سے آخرت کمانا ہے، آخرت کی تفصیل سمجھاتے ہوئے آخرت کو دار الجزاء یعنی بدلہ اور انعام حاصل کرنے کی جگہ بتلایا گیا، انسانوں اور جنوں کو زندگی کا مقصد سمجھا کر دنیا میں ایمان کے ساتھ زندگی گذارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ پوری کائنات کا مالک اکیلا اللہ ہے، یہ کائنات بغیر اس کی قدرت کے نہیں چل رہی ہے، کائنات میں غور وفکر کروا کر اللہ تعالیٰ کا تعارف اور پہچان اس کی صفات کے ذریعہ کروایا گیا، اس کو ایک اور اکیلا ماننے کی تعلیم دی گئی، اس کی ذات، صفات، حقوق و اختیارات میں کسی مخلوق کو شریک کرنا شرک بتلایا گیا اور کفر کی تفصیل سے تعلیم دی گئی۔

☆ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہونے کے تذکرے ہیں، آخری کتاب قرآن مجید کے نازل ہونے کی تعلیم ہے، پچھلی آسمانی کتابوں اور قرآن مجید کی تعلیمات نے کس قسم کی دعوت دی اور دے رہی ہیں، پچھلی آسمانی کتابوں کے ساتھ ان کی قوموں نے کیا سلوک کیا، ان میں تبدیلیاں کیسے کردیں، ان کو منسوخ کردیا گیا، ان کی تعلیمات اب اصلی حالت میں موجود نہیں، پوری آسمانی کتابوں کا نچوڑ اور عطر و مغز قرآن مجید بتلایا گیا اور اب صرف قرآن مجید پر ہی عمل کرنے کو نجات کا مدار بتلایا گیا، اس کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ کررہا ہے، پچھلی آسمانی کتابوں اور اس کتاب پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی، اس کو ایمان بالکتب بتلایا گیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام قوموں میں، ہر زمانہ اور ہر ملک میں اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بھیجا، ان پر وحی نازل کی، انہوں نے اپنی قوموں کو کس چیز کی دعوت دی، ان کی تعلیم کیا تھی، پیغمبروں کے ساتھ ان کی قوموں کا سلوک کیا تھا؟ پیغمبروں کے دنیا میں آنے کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا، آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لئے پیغمبر بنا کر جنّات وانسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا، آپؐ پر نبوت ختم کردی گئی، اب آپؐ کے بعد دنیا میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا، حضرت عیسیٰؑ آئیں گے بھی تو آپؐ کے امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور آپؐ ہی کا کلمہ پڑھیں گے، اللہ نے انسانوں اور جنوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی عبدیت و بندگی کرنے کی شرط رکھی، جو لوگ اللہ کو مانتے ہوئے آپؐ کو پیغمبر نہیں مانیں گے وہ مسلمان نہیں کہلائیں گے، آپؐ کی زندگی سے قرآن مجید کی عملی مثال سمجھانے کے لئے آپؐ کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ رکھا گیا، تمام پیغمبروں کو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا ایمان بالرسالت بتلایا گیا۔

☆ قرآن مجید سے فرشتوں کی حقیقت سمجھائی اور بتلایا کہ وہ اللہ کے حکم کے مطیع و فرمانبردار ہیں، کائنات کے مختلف کام انجام دیتے ہیں، ان کو اللہ کی قدرت میں کوئی دخل نہیں، نہ وہ اللہ جیسے کوئی کمال وقدرت کے مالک ہیں، وہ خود اللہ کے مجبور ومحتاج ہیں، اللہ ان کا محتاج نہیں، ان پر مخلوق کی حیثیت سے ایمان لانے کو ایمان بالملائکہ بتلایا گیا۔

☆ قرآن مجید میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے علیم ہونے کو بار بار سمجھایا گیا، مخلوقات کے بارے میں ابتداء سے آخرت تک کا پورا علم اللہ کے سواء کسی کو نہیں، اللہ ہر مخلوق کی ہر حالت کو جانتا ہے، اسی کے مطابق وہ دنیا میں اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کررہی ہیں، اسی کو تقدیر کہتے ہیں، اس پر ایمان لانا ایمان بالقدر یعنی تقدیر پر ایمان لانا بتلایا گیا۔

☆ اسی طرح قرآن مجید اور احادیث میں مرنے کے بعد والی زندگی کی بہت تفصیل بیان کی گئی، سکرات، برزخ (قبر یا موت سے حشر کے درمیان کے حالات)، قیامت

کے حالات، میدانِ حشر کے حالات، جنت کی نعمتیں اور جہنم کی سزاؤں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا اور مرنے کے بعد والی زندگی کی پوری تفصیل سمجھائی گئی، اتنی تفصیل پچھلی آسمانی کتابوں میں اب نہیں ہے، اس پر ایمان لانے کو ایمان بالآخرۃ بتلایا گیا۔

☆ قرآن وحدیث میں پچھلی قوموں کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کا بھی ذکر ہے، خاص طور پر یہود ونصاریٰ کی مکاریوں کو کھول کھول کر بیان کیا گیا، توحید کے دعوے کے ساتھ ان کے کفر وشرک کو سمجھایا گیا اور امت مسلمہ کو ان کی طرح زندگی گذارنے سے منع کیا گیا، یہود ونصاریٰ کو خالص توحید اختیار کرنے کی دعوت دی گئی۔

☆ شرک، کفر، نفاق، فسق وفجور کی مثالیں بیان کی گئیں اور انسان کن کن راستوں سے شرک میں گرفتار ہوتا ہے سمجھایا گیا، مشرک قوموں نے ایمان والوں کو کیسی تکالیف دیں اور شرک وکفر والی زندگی کتنی گندی اور ناپاک ہوتی ہے سمجھایا گیا، اسی طرح ہر زمانہ میں منافق کس طرح کا رول ادا کریں گے اور اسلام کو کیسے نقصان پہنچائیں گے بتلایا گیا۔

☆ شیطان کو خاص طور پر اولادِ آدم کا دشمن بتلایا گیا اور وہ کیا چاہتا ہے؟ کیسے گمراہ کرتا ہے اور کس طرف لے جانا چاہتا ہے بتلایا گیا، پھر یہ بھی بتلایا گیا کہ انسانوں میں دو جماعتیں ہوں گی، ایک اللہ کی جماعت دوسری شیطان کی جماعت، اللہ کی جماعت جنت والی ہوگی، شیطان کی جماعت دوزخی ہوگی، مشرک، کافر اور منافق تمام غیر مسلم، ایمان سے خالی انسان وہ شیطان کی جماعت والے ہوں گے۔

☆ اسلامی تعلیمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا، فرض، واجبات اور سنت، کونسے اعمالِ صالحہ اور نیک کام فرض، واجب اور سنت یعنی مؤکدہ وغیر مؤکدہ ہیں بتلایا گیا۔

☆ دنیا کی زندگی میں کون کونسی چیزیں حلال وحرام، پاک وناپاک اور جائز وناجائز ہیں بتلائی گئیں، جو جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل بتلائی گئی اور جو جو چیزیں حلال ہیں ان کی تفصیل بتلائی گئی، گناہ کبیرہ کیا ہیں اور گناہ صغیرہ کیا ہیں ان کو بھی بتلایا گیا۔

☆ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، زکوٰۃ دینے، وضو وغسل کرنے، طہارت،

غسلِ جنابت، نکاح، طلاق، مہر ادا کرنے، وراثت کا طریقہ، صبر کرنے، اخلاق وتقویٰ اختیار کرنے اور زندگی کے دوسرے مختلف مسائل کی مکمل تعلیم دی گئی۔

☆ اسلامی معاشرہ میں عمدہ کلچر اور تہذیب سکھانے، معاشرتی احکام بتلانے، نکاح، ماں باپ کی خدمت، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک، سلام وملاقات کے آداب، مہمان نوازی، میزبانی، ہدیہ وتحفہ دینے، غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور مساوات انسانی، پردہ، پاکی وناپاکی، انصاف کرنے اور سچ بولنے کی باقاعدہ تعلیم دی گئی۔

☆ دنیا سے برائی اور جرائم کو مٹانے تعزیراتی قانون بھی بتلائے گئے اور زنا، چوری، جوا، قتل، فساد، ناچ گانا، شراب اور نشہ پر سزائیں بتلائی گئیں۔

☆ اسی طرح انسانوں کے درمیان تجارت کو حلال اور سود کو حرام بتلا کر تجارت اور لین دین کے طریقے بتلائے گئے، وعدہ کی پابندی اور امانت کی حفاظت پر بہت تاکید کی گئی، اسلام نے باقاعدہ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کی تفصیل سے علاحدہ علاحدہ تعلیم دی ہے اور انسان کو زندگی کے کسی شعبہ میں محتاج نہیں رکھا۔

☆ گذری ہوئی قوموں کی نافرمانیوں کے واقعات اور ان پر عذاب اور ان کا ایمان والوں کے ساتھ سلوک، کتاب اللہ کے ساتھ حرکتیں بتلا کر یہود ونصاریٰ کو صحیح راستہ کی تعلیم دی گئی اور امت مسلمہ کو گذری ہوئی قوموں کے غلط اعمال اختیار کرنے سے منع کیا گیا۔

☆ کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرنے کی تعلیم دے کر اللہ کی قدرت کو سمجھایا گیا، کائنات میں اللہ کی صفات کو سمجھنے کے لئے غور وفکر کی تعلیم دی گئی۔

دنیا کے دوسرے مذاہب میں حسبِ ذیل تعلیم ہی نہیں

ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر اور بیوی کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق، انسانوں کے حقوق، جانوروں کے حقوق، بیواؤں، غریبوں، یتیموں محتاجوں ومسافروں کے حقوق، نوکروں کے حقوق، بادشاہ

کے حقوق اور رعایا کے حقوق وغیرہ وغیرہ، ان پر کوئی ہدایات ور ہبری ہی نہیں، وہ جی کی خواہش پر یا انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں پر یا فلموں اور ڈراموں کی رہبری پر عمل کرتے ہیں۔

اسی طرح تجارت کے آداب، مال کمانے اور خرچ کرنے کے آداب، سفر کے آداب، دوستی و دشمنی کے آداب، مسجد کے آداب، دعاء کے آداب، سونے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب، کھانے اور پینے کے آداب، بول و براز کے آداب، خیر خیرات کے آداب، محفل کے آداب، تنہائی کے آداب، اپنے یا دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے اور والدین کی قیامگاہ میں داخل ہونے کے آداب، سلام وملاقات کے آداب، بیماروں کی عیادت کے آداب، میت اور کفن دفن کے آداب، ہدیہ وتحفہ دینے اور لینے کے آداب، میز بانی و مہمانی کے آداب، کپڑے پہننے کے آداب، سفر کے آداب، نوکری کے آداب، لین دین کے اصول وآداب وغیرہ وغیرہ کی جتنی بہترین رہبری دین اسلام میں ہے ان پر کوئی رہبری دوسرے مذاہب میں نہیں، ان تمام کاموں میں وہ جی کی خواہش یا دوسروں کی نقالی یا فلموں اور ڈراموں کی نقل میں زندگی گذارتے ہیں۔

☆ دنیا کے دوسرے مذاہب کا کوئی کلمہ ہی نہیں جس کے تحت وہ اپنی زندگی گذار سکیں۔

☆ دنیا کے دوسرے مذاہب اپنے مذہب کا خلاصہ ہی بیان نہیں کر سکتے جس طرح اسلام نے انسانوں اور جنوں کی زندگی کا خلاصہ ومقصد اللہ کی (پہچان کے ساتھ) اطاعت و عبادت بتلایا ہے۔

☆ دنیا کے دوسرے مذاہب میں تزکیۂ نفس، جسم و جان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا نام ہے، اسلام نے تزکیۂ نفس کا فطری اور آسان طریقہ سکھایا ہے۔

☆ دنیا کے دوسرے مذاہب میں انسانوں کے لئے کوئی قانون زندگی اور رہبری نہیں، وہ جس ملک اور جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں کے سرکاری قانون پر اپنی زندگی گذارتے ہیں، اہل کتاب اب زیادہ تر انسانوں کے بنائے ہوئے نظامِ زندگی کے قانون پر اپنے اپنے ملک میں عمل کرتے ہیں۔

سُورَۃُ اللّٰھَبْ پر غور وفکر

حق کی مخالفت کرنے والے دنیا وآخرت میں ذلیل ہوتے ہیں:

تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ o مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ o سَيَصْلٰى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ o وَامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ o فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ o

ترجمہ:۔ ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہوگیا، نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آیا اور نہ اس کی کمائی وہ بہت جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا، اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی، اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے والے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے:

پیارے بچو! یہ سورۃ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس میں ابولہب کا نام آیا ہے اس لئے یہ اسی نام سے یاد کی جاتی ہے، ابولہب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس سورۃ میں اس پر اور اس کی بیوی پر عذاب الٰہی اور ان کی بربادی کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ سے قیامت تک آنے والے انسانوں کو جو اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھیں گے، عبرت حاصل کرنے اور اللہ کے عذاب سے بچنے کا احساس دلانے کی تعلیم دی ہے کہ وہ دنیا سے ناکام گذریں گے اور ان کا حشر بھی ابولہب اور اس کی بیوی کی طرح ذلت سے بھرا ہوا ہوگا اور مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ اگر اسلام کو مٹانا چاہیں گے تو ابولہب کی طرح ناکام و نامراد رہیں گے، خود ان کی نسلوں میں اسلام داخل ہوجائے گا۔

اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے ابولہب کا مختصر تعارف ذہن میں رکھو!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابولہب دونوں بنو ہاشم خاندان کے فرد تھے اور ایک ہی باپ عبدالمطلب کے بیٹے تھے، عبداللہ اور ابوطالب دونوں ایک ماں کی اولاد تھے، ابولہب دوسری ماں سے تھا، اس طرح وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا،

ابولہب کا اصلی نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا، حسن و جمال، گورے و لال رنگ اور چمکدار چہرے کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب تھی، لہب کے معنی آگ کا شعلہ یعنی اس کے نام ہی میں آگ سے نسبت تھی، یعنی اس کا ٹھکانہ نام کے لحاظ ہی سے آگ ظاہر ہوتا تھا، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو اچھے نام رکھنے کی تاکید کی ہے، جس کے معنیٰ عمدہ نکلتے ہوں، یہ مکہ کا بہت زیادہ دولتمند رئیس آدمی تھا، مگر انتہائی بخیل اور کنجوس تھا، اس کے سر پر مشرکوں کی طرح دو چوٹیاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر سنانے والی باندی کو خوش ہو کر انگلی کے اشارہ سے آزاد کر دیا تھا، مگر جیسے ہی رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ظاہر کر دیا تو بنو ہاشم کے تمام لوگوں کے بالمقابل سب سے زیادہ ابولہب ہی مخالف ہو گیا اور دعوت ایمان دینے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقوں سے ستاتا اور اذیت دیتا تھا، حالانکہ بنو ہاشم کے سب ہی لوگوں ابھی اسلام قبول نہیں کئے تھے، مگر یہ سب سے پیش پیش رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا اور دشمن بنا ہوا تھا، بی بی صفیہؓ جو اس کی بہن تھیں اس کو ڈانٹتیں اور کہتیں کہ بنو ہاشم (بنی اسماعیل) میں اللہ کے آخری نبی آنے کی جو بات مشہور ہے وہ نبی یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تم تائید کیوں نہیں کرتے؟

نبوت کے بعد سب سے پہلے رشتہ داروں کو دعوتِ ایمان کا حکم

نبوت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اپنے رشتہ داروں کو اللہ کی طرف بلاؤ اور آخرت سے ڈراؤ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت دعوت طعام کا اہتمام کر کے پہلے بنو ہاشم کے لوگوں کو بلایا، بی بی صفیہؓ نے ابولہب کو نہ بلانے کی بات پہلے ہی رکھ دی تھی مگر وہ بھی دعوت طعام میں آیا اور پہلے دن کھانا کھاتے ہی اٹھ کر اپنی بکواس شروع کر دی اور مخالفت کی اور سب کو ورغلا کر ایمان نہ لانے کی ترغیب دی، ابوطالب پر طعنے مارے کہ بھتیجے کے تابع اور غلام بن کر رہو اور بیٹے (حضرت علیؓ) کی

اطاعت میں زندگی گذارو۔

اس دن بھی بی بی صفیہؓ نے اُسے ڈانٹا کہ چچا ہو کر تائید کے بجائے خود ہی مخالفت کر رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ ایمان دینے نہیں دیا اور پکارا کیا، پھر دوسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو طعام پر دعوت دے کر بلایا اور اللہ کا پیغام سنایا، فرمایا: خدا کی قسم! اللہ جانتا ہے میں اس کا رسول ہوں، اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، سن لو! عرب میں کوئی اپنی قوم کے لئے مجھ سے بہتر چیز نہیں لایا، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لیکر آیا ہوں، کون ہے جو میرا ساتھ دے، سب کے سب خاموش رہے، سوائے حضرت علیؓ کے، اس وقت بھی ابولہب نے طعنہ مارتے ہوئے کہا: ابوطالب اب بھتیجے کی پیروی کرو گے یا بیٹے کی، اس دن بھی چیختا پکارتا ہوا مخالفت کیا۔

صفا پہاڑی پر چڑھ کر خاندانِ قریش کے لوگوں کو دعوت دی گئی

دوسری مرتبہ بھی کامیابی نہ ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر نفسیاتی طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی اور صبح صبح قریش کے خاندان والوں کو قبیلوں کا نام لے لے کر پکارا، اور ''**یا صباحاہ**'' کی آواز لگائی، اس قسم کا لفظ خاص طور پر عرب میں خطرے کی علامت کے وقت استعمال کیا جاتا تھا، جب دشمن کی فوج شب خون مارنے یعنی علی الصبح حملہ کرنے کو آئے تو جو شخص دشمن کی فوج کو آنکھوں سے دیکھتا وہ ''**یا صباحاہ**'' کے الفاظ سے لوگوں کو بیدار کر کے اطلاع دیتا، اس لفظ کے معنی ہیں ''ہائے صبح کی مصیبت''، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پکار پر صبح صبح تمام قریش کے لوگ دوڑے دوڑے تیزی سے پہاڑی کے دامن میں جمع ہوگئے۔

آپؐ نے درد بھری محبت والی آواز میں فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑی کی اس طرف جو تم دیکھ نہیں سکتے، دامن میں دشمنوں کی ایک فوج تم پر حملہ کرنے کیلئے کھڑی ہے، تو کیا آپ لوگ یقین کرلیں گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم ضرور یقین کریں

گے، اس لئے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، سچے انسان ہیں، سب کے خیر خواہ ہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’میرے پیارے عزیزو! خدا کی ناراضگی سے بچو اور اللہ کو ایک اور اکیلا مانو، اسی کی عبادت کرو، یہی اس کی ناراضگی سے بچنے کا ایک راستہ ہے، ورنہ جو اللہ کے ساتھ بتوں کی پوجا کرے گا مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا، ان کو میں نہیں بچا سکتا‘‘، اس وقت بھی سب سے پہلے ابولہب یہ باتیں سن کر غصہ میں لال پیلا ہو گیا اور آپؐ کی طرف چلاّ کر تھوکتے ہوئے پتھر پھینکا، (حالانکہ تھوک الٹا تھوکنے والے ہی پر گرتا ہے) کہا: تیرا بُرا ہو! تو نے کیا اسی بات کے لئے ہمارا وقت خراب کرنے کے لئے جمع کیا ہے؟ بہر حال اس دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بات کرنے نہیں دیا، آپؐ اس کی چیخ پکار پر خاموش ہو کر اس کو دیکھتے رہے اور دل میں یہ حسرت تھی کہ کاش یہ تھوڑی دیر خاموش رہے تو میں بات پوری کر سکوں، ابولہب کے چیخ و پکار پر لوگ منتشر ہو گئے۔

ابولہب مکہ کے بازاروں وگلیوں میں بھی نبی ﷺ کا پیچھا کرتا اور مخالفت کرتا تھا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں اور قبیلوں میں دعوتِ ایمان دیتے تو ابولہب وہاں پہنچ کر قبیلے والوں سے کہتا کہ یہ بے دین ہو گیا ہے، لات وعزیٰ سے دور کر رہا ہے، لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اس کی بات ہرگز نہ مانو۔

حضرت طارقؓ بن عبداللہ نوجوان تھے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالمجاز کے بازار میں لوگوں کو کہہ رہے تھے، **لا الہ الا اللّٰہ** کہو کامیاب ہو جاؤ گے، لوگوں کو ایمان کی طرف بلانا چاہتے تھے، پیچھے سے فوراً ایک حسین وجمیل سرخ چہرے بڑے بڑے بالوں والا آیا اور آپ پر پتھر پھینکتے ہوئے چلا کر کہا: لوگو! یہ جھوٹا ہے، یہ بے دین اور گمراہ ہو چکا ہے، اس کی بات ہرگز نہ مانو، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جو محمدؐ کی مخالفت کر رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب ہے۔ (ترمذی)

اس کی مخالفت سے لوگ عام طور پر یہ سوچتے کہ جب محمدؐ کا چچا خود اپنے بھتیجے کو گمراہ، بے دین اور جھوٹا کہتا ہے تو ہم کیسے آپ کی بات پر یقین کریں؟ اور شک میں پڑ جاتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں گمراہ و بدعتی مسلمان اہل حق مسلمان کو گمراہ کہتے ہیں

مکہ کے مشرک اور ابولہب کا حال یہ تھا کہ وہ خود گمراہ، بے دین اور مشرک تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ اور بے دین کہتے تھے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو لوگ بدعات وخرافات میں مبتلا ہیں، قرآن وحدیث کا علم نہیں رکھتے یا غلط رکھتے ہیں، باپ دادا کی اندھی تقلید پر جاہلانہ رسمیں کرتے، درگاہ پرستی، علم پرستی، جھنڈا پرستی، گیارہویں، بارہویں، چھٹی، چھلہ، برسی، عرس، قوالی، صندل، کونڈے، محرم، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، قبروں پر سجدے، طواف اور درخواستیں لٹکاتے، قبروں کو غسل دیتے، درگاہوں کی فوٹو گھروں میں لگاتے، وہ خود گمراہ ہو کر قرآن وحدیث کے احکام پر چلنے والوں کو بے دین، گمراہ اور کافر کہتے ہیں اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان لوگوں کا حال بھی ابولہب اور مشرکینِ مکہ کی طرح ہے، ان لوگوں کی بدعات کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں، حق کو باطل کہتے ہیں اور باطل پرستی کو حق سمجھتے اور کہتے ہیں، اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔

ابولہب' رسول ﷺ کا پڑوسی ہو کر تکلیف دیتا تھا:

ابولہب' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا، آپؐ کے اور اس کے گھر کے درمیان ایک دیوار تھی، دشمنی میں جب اضافہ ہو گیا تو درمیانی دیوار پر سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں کچرا اور غلاظت پھینکتا تھا، چولہے پر ہانڈی میں کھانا سالن ہو تو اس میں غلاظت پھینکتا تھا، خود بھی یہ حرکت کرتا اور اطراف کے ہمسایوں حکم بن عاص اور عدی بن حمرا سے بھی یہ حرکت کرواتا تھا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم صبر کرتے اور باہر آ کر پڑوسیوں سے کہتے کہ یہ کیسا سلوک ہے پڑوسی کے ساتھ؟ اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو مال اور اولاد بہت دیا تھا، جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کے دن زندہ ہو کر حساب دینے اور بت

پرستی کی وجہ سے جہنم کی آگ سے ڈراتے تو یہ فخر اور تکبر سے کہتا کہ میں اپنا مال اور اولاد فدیہ میں دے کر چھوٹ جاؤں گا، میرے لئے میرا مال اور میری اولاد کافی ہے۔

ابولہب، شعب ابوطالب میں محصور بنو ہاشم کی مخالفت میں رہا:

ابولہب باوجود یہ کہ بنو ہاشم کا فرد تھا، جب قریش کے لوگوں نے بنو ہاشم کے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں اور ابوطالب کو ۳ سال تک شعب ابوطالب میں محصور کر دیا اور ان کے ساتھ ہر قسم کا لین دین، تعلقات اور مدد سے تمام لوگوں کو روک دیا اور بھوک و پیاس میں مبتلا کر کے مارنا چاہا، اس سے قریش کا مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تھا مجبور اور بیزار ہو کر محمدؐ سے اپنا پیچھا چھڑا لیں اور ان کو اپنی امان دینے سے انکار کر دیں اور ان کا ساتھ چھوڑ دیں، اس وقت بھی ابولہب نے اپنے خاندان کے تمام افراد کے خلاف قریش کا ساتھ دیا، ان کے ساتھ معاہدہ میں پابند رہا اور کسی تاجر کو شعب ابی طالب کی وادی کی طرف جانے نہیں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ وہاں مال فروخت کرنا ہو تو انتہائی مہنگے دام بولیں تا کہ مسلمان نہ لے سکیں۔

ابولہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا سسر تھا

نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں بی بی رقیہ اور بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہما، ابولہب کے دو بیٹوں کی نکاح میں تھیں، مگر ابھی وداعی نہیں ہوئی تھی، مشرکین مکہ نے ابولہب کو مشورہ دیا کہ محمدؐ کو ذہنی کوفت میں مبتلا کرنے اور پریشان کرنے کے لئے محمدؐ کی دونوں لڑکیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادے، چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گیا، پھر مشرکین مکہ اور ابولہب نے دونوں بیٹوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے اور بتوں کی مخالفت کا بدلہ لینے کے لئے طلاق کی بات رکھی اور ان کی پسند کی جگہ شادی کرانے کا پیشکش کیا، چنانچہ دعوتِ ایمان کا بدلہ لینے کے لئے ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے آپؐ کی بیٹیوں کو طلاق دلائی، عتیبہ جو اس کا بیٹا تھا اس نے نہ صرف آپؐ کی

صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کوطلاق دی بلکہ اس نے کھلے عام لوگوں کے سامنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گالیاں دیتے ہوئے بے عزتی کی اور آپؐ کے منہ پر تھوکتے ہوئے گریبان پھاڑ دیا، اس کے اس طرح کے سلوک پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بددعا نکلی: ”الٰہی! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کردے“، جب ابولہب کو آپؐ کی بددعاء کے ان الفاظ کی خبر ملی تو اس نے آپؐ کی بات پر سو فیصد یقین کرلیا، اس وقت سے اپنے بیٹے کی حفاظت کا بہت خیال رکھنا شروع کیا، اس کو پورا یقین تھا کہ محمدؐ کی کہی ہوئی بات غلط نہیں ہوتی، اللہ اُسے پوری کرتا ہے، مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے نقصان پہنچانے سے نہیں روک سکتی۔

ایک مرتبہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تجارتی سفر میں شام کے علاقہ میں تھا، راستہ میں تجارتی قافلہ رات گذارنے کے لئے ایک مقام پر ٹھہر گیا، وہ مقام کسی گرجا گھر کے قریب تھا، وہاں کے پادری نے پہلے ہی قافلہ والوں کو اطلاع دے دی تھی کہ اس مقام پر درندوں کا حملہ ہوسکتا ہے، اس پر ابولہب نے اپنے بیٹے کو سامان کے بیچ میں سُلا دیا اور سارے لوگ سامان کے اطراف سو گئے اور اونٹوں کو اطراف میں بیٹھا کر باڑھ کی طرح رکھا، آدھی رات کو ایک شیر آیا، لوگوں کو سونگھتا ہوا درمیان میں کودا اور ابولہب ہی کے بیٹے کو چیر پھاڑ کر چلا گیا، ابولہب یہ دیکھ کر بہت غمزدہ ہوا اور کہا کہ محمدؐ نے جو کہا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

بیٹے کی موت کے باوجود مسلمانوں سے دشمنی نہ چھوڑا

ابولہب نے بیٹے کی موت کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کو تکلیف دینا نہیں چھوڑا، مشرکین مکہ نے جب جنگ بدر کا منصوبہ بنایا تو ہر خاندان سے ایک ایک آدمی کو شریک ہونا لازمی کیا، ابولہب نے ایک شخص کو چار ہزار درہم قرضہ دیا تھا، اس کے پاس قرض واپس کرنے کی طاقت اور گنجائش نہیں تھی، ابولہب نے اس کا قرض معاف کرنے کی شرط پر اپنے بجائے اُسے جنگ میں بھیج دیا۔

جنگ بدر کی شکست کا غم اور بیماری نے اُسے موت کے حوالہ کردیا

ابولہب کی موت غزوۂ بدر کے چندروز بعد ہی ہوئی، جیسے ہی اس کو بدر کی شکست اور بڑے بڑے سرداروں کے قتل کیئے جانے کی اطلاع ملی تو وہ زمزم کے کنویں کے کمرے میں بیٹھا تھا، اطلاع دینے والے کو تھپڑ مارا اور اس کی بات کا یقین نہ کیا کہ زبردست ہتھیاروں سے لیس اور تجربہ کار جنگجو سرداروں کے ہوتے ہوئے چند مٹھی بھر مسلمانوں اور مدینہ کے کاشتکاروں کے ہاتھوں کیسے شکست ہوئی، وہ بہت غمزدہ ہوگیا، اس غم کو برداشت نہ کرسکا، اسی وقت اس کو ایک خطرناک عدسہ کی متعدی بیماری ہوئی، اس بیماری میں مسور کی دال برابر دانے والی پیپ کی پھونسیاں پورے جسم پر ہوجاتی ہیں، بدر کی جنگ کے بعد روایت میں ہے کہ سات دن زندہ رہا، اس کی موت کے بعد تین دن تک اس کی لاش گھر میں پڑی رہی، کوئی اولاد اور اس کے رشتہ دار، دوست احباب بھی اس کی لاش کے قریب جانے سے ڈرتے رہے، بیماری کے متعدی ہونے کا خطرہ سب محسوس کر رہے تھے، آخر کار لاش کے سڑنے اور جسم سے بدبو پھیلنے پر لوگوں نے اس کی اولاد سے شکایت کی، کرائے کے حبشی غلاموں کو لاکر اس پر پانی پھینک پھینک کر غسل دیا گیا اور گھر سے دور ایک گڑھا کھود کر لمبی لمبی لکڑیوں سے لاش کو ڈھکیل کر گڑھے میں گرادیا گیا اور گڑھے کو دور سے ہی مٹی اور پتھر پھینک پھینک کر بھر دیا گیا، اس کی موت بڑی ذلت کے ساتھ ہوئی، بے شک اس کا مال اور اس کی اولاد دنیا ہی میں کچھ کام نہ آئی۔

ابولہب نے عرب کی خاندانی رواداری کو بھی ملحوظ نہیں رکھا!

مفسرین کہتے ہیں کہ سورۂ لہب خاص طور پر ابولہب کے کسی ایک واقعہ کی بنیاد پر نازل نہیں ہوئی، چنانچہ اس سورۃ کا مضمون سمجھنے کے لئے ابولہب اور اس کی بیوی کی اسلام دشمنی کی مسلسل حرکتوں کو ذہن میں رکھنا ہوگا، یہ سورۃ انہی حرکتوں پر پیشین گوئی ہے، اس

کے مرنے سے کئی دن پہلے نازل ہوئی، عرب کے معاشرتی تمدن کے لحاظ سے خاندانی رواداری بہت بڑی اہمیت رکھتی تھی، لوگ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور اپنے اپنے قبیلہ کے افراد کا حق و ناحق کو دیکھے بغیر ساتھ دیتے اور ان کی حفاظت کرتے تھے، جس کی وجہ سے برسوں جنگ اور لڑائی ہوا کرتی تھی، کوئی قبیلہ اپنی اس خاندانی رواداری کو چھوڑنے تیار نہیں ہوتا تھا اور اپنی جان قربان کر کے بدلہ لیتا تھا، چاہے کسی کا قتل ناحق ہی کیوں نہ ہو جائے، وہ صرف قبیلہ اور خاندان کا ساتھ دیتے تھے، ابولہب نے اسلام کی دشمنی میں اس روایت کو بھی توڑ دیا اور سارا بنو ہاشم باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کے آپ ؐ کا ساتھ دے رہا تھا، جس کی وجہ سے عرب کے دوسرے قبائل آپ ؐ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے، سوائے ابوجہل اور ابولہب کے، انہوں نے قبیلہ کی روایات کو توڑ کر آپ ؐ سے دشمنی کی تھی، اپنے ہی خاندان کے فرد کو قتل کرنا چاہا اور ہر طرح سے تکلیف دی اور اللہ سے نڈر بن کر حد سے آگے بڑھ گئے، ہر زمانہ میں دین کو مٹانے والے خود مٹ گئے، اللہ مظلوموں کی مدد کرتا ہے، آج ساڑھے چودہ سو سال سے دین اسلام دنیا میں برابر پھیل رہا ہے، مغرب کے لوگوں نے بھی بہت کوشش کی مگر اس کے پھیلنے کو روک نہ سکے۔

ابولہب کی بیوی کی اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی

اس کی بیوی ام جمیل جو حضرت ابوسفیان ؓ کی بہن تھی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، اس کا اصل نام اروی بنت حرب بن امیہ تھا، یہ شاعرہ تھی اور شوہر کے ساتھ ساتھ خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تکلیف دینے میں اور اسلام کی مخالفت کرنے میں پیش پیش رہتی تھی، مختلف جگہوں سے کانٹے اور کانٹے دار لکڑیاں لا کر رات کے وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے اور راستہ میں ڈالا کرتی تھی؛ تا کہ آپ ؐ کو اور آپ ؐ کے اہل وعیال کو تکلیف پہنچے، اس کے گلے میں سونے کا ایک قیمتی ہار تھا، وہ بتلا کر بتوں کی قسم کھا کر کہتی کہ اپنا مال خرچ کر کے محمد ؐ کی مخالفت کروں گی، وحی کے کچھ دنوں تک رک جانے پر اس نے کہا

تھا کہ: معلوم ہوتا ہے تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔

جب سورۂ لہب نازل ہوئی تو اس سورۃ کا چرچہ پورے مکہ میں ہو گیا، سب کو معلوم ہوا کہ وحی کے ذریعہ ابولہب اور ام جمیل پر بددعاء کے الفاظ اُترے ہیں، وہ چونکہ شاعرہ تھی، سمجھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعری کے انداز میں اس کی بے عزتی کی ہے، وہ یہ نہیں سمجھی کہ یہ الفاظ وحی کے ذریعہ آپؐ پر نازل ہوئے ہیں، جب سارے مکہ میں بے عزتی ہونے لگی تو وہ تیز تیز دو پتھر ہاتھوں میں لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتی ہوئی کعبۃ اللہ کے صحن میں آئی اور وہاں پر آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے کہا کہ ام جمیل غصہ میں آپؐ کو تلاش کرتی ہوئی آ رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فکر مت کرو! مجھے وہ دیکھ نہیں سکے گی، فرشتہ اس کے اور میرے بیچ میں مجھے ڈھانپ لے گا، ام جمیل نے حضرت ابوبکرؓ سے قریب آ کر کہا کہ کہاں ہیں تمہارے ساتھی محمدؐ؟ انہوں نے مجھے بددعاء دی ہے اور میری توہین کی ہے، اِدھر اُدھر دیکھ کر چلی گئی، جاتے جاتے کہنے لگی کہ میں سردار کی بیٹی اور شاعرہ ہوں، مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی، وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اللہ جس کو بچانا چاہے کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، بے شک کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچانے کے لئے اللہ کی مرضی و منشاء چاہئے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا: محمدؐ نے تمہاری کوئی توہین نہیں کی اور نہ بددعاء دی، دراصل سورۂ لہب کے الفاظ اللہ نے نازل کئے تھے اور وہ بددعاء نہیں بلکہ پیشین گوئی کے الفاظ تھے کہ ابولہب اور اس کی بیوی کا انجام اس طرح ہوگا، اس کی بیوی کی یہ بھی خصلت تھی کہ وہ چغلی اور لوگوں میں لڑائی فساد برپا کرنے والی عورت تھی، مسلمانوں کے خلاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں میں چغلی کرتی پھرتی تھی۔

ابولہب کی مراد پوری نہیں ہوئی، وہ نامراد ہوا!

ابولہب زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف رہا اور اسلام کو پھیلنے سے

روکنے کے لئے پوری کوشش کرتا رہا، وہ دوسروں کو کیا روک سکتا خود اس کی اولاد اسلام میں داخل ہوگئی، چنانچہ روایات میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد اس کے بیٹے عتبہ اور معتب حضرت عباسؓ کے ساتھ خود مدینہ آ کر توبہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے دشمن اسلام ابولہب کی بیٹی سیدہ درّہؓ کو اور دو بیٹوں کو ایمان کی دولت عطاء فرمائی، سیدہ درہؓ کا پہلے نکاح حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے ہوا تھا، ان کا شوہر جو مشرک تھا جنگ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے بدر کی لڑائی میں قتل ہوگیا، سیدہ درہؓ اپنی والدہ کے خلاف تھیں، وہ مکہ ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں، پھر والد و والدہ کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئیں، مدینہ میں حضرت دحیہ کلبیؓ سے ان کا نکاح ہوا۔

مدینہ منورہ میں بعض خواتین ان پر شک کرتے ہوئے کہ یہ ابولہب کی بیٹی ہے اور ابولہب کی طرف ان کو طعنہ دیتیں کہ دشمنِ خدا کی بیٹی ہے، اس سے سیدہ درہؓ کو تکلیف ہوتی، مدینہ کی عورتیں ان کو کہتیں کہ تمہارے ماں باپ کے متعلق سورۂ لہب نازل ہوئی، تمہاری ہجرت تمہیں کیا فائدہ دے گی؟ ایک مرتبہ سیدہ درّہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی، تو آپؐ نے انہیں تسلی دی، اور ظہر کی نماز کے بعد لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: لوگو! کیا بات ہے کہ مجھے میرے خاندان کے حوالے سے تکلیف دی جاتی ہے، اللہ کی قسم! میری شفاعت میرے قرابت داروں (اشارہ سیدہ درہؓ کی طرف تھا) کو پہنچے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو درہؓ سے ناراض ہوا اللہ اس سے ناراض ہے۔

سیدہ درہؓ زیادہ تر دین سیکھنے مسائل جاننے آپؐ کے گھر کے قریب رہتیں اور حضرت عائشہؓ کے پاس بہت زیادہ آتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی مانگنے پر بی بی عائشہؓ سے پہلے جلدی اٹھ کر دوڑ کر آپ کو پانی لا کر دیں، آپؐ نے وضو فرمایا، پھر حضرت درّہؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: درہ! میں اور تم دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں، ذرا غور کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دشمن اسلام کی بیٹی کے اسلام قبول کر لینے کے بعد کیسی عزت واحترام ہے۔

سورۂ لہب کے نازل ہونے کے سات یا آٹھ سال بعد جنگ بدر ہوئی اور اس کے کچھ دنوں بعد ابولہب مرگیا، اس کے مرنے سے پہلے بیٹی نے خود اسلام قبول کرلیا اور مرنے کے بعد دو بیٹوں نے توبہ کی اور ایمان لائے، مرنے کے بعد اس کی اولاد اور اس کی دولت بھی کچھ اس کے کام نہ آسکی، اس کی خواہش کے خلاف اسلام مٹنے کے بجائے شرک اور بت پرستی کو جنگ بدر میں شکست ہوگئی اور اسلام کی طاقت ظاہر و غالب ہوگئی، مرنے کے بعد جہنم میں اس کو آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے گا، اس کی بیوی کے گلے کا ہار آگ کا ہار بن جائے گا، جو لوہے کے کانٹوں جیسا ہوکر اس کو تکلیف دے گا۔

ابولہب کے گھر میں خود اسلام داخل ہونا گویا اس کے دونوں ہاتھوں کا معذور ہوجانا ہے، وہ قطعی اپنے بازو اور طاقت سے اسلام کے پھیلنے کو نہیں روک سکا اور نامراد ہوا، اس کی مراد پوری نہیں ہوئی، اس کا مال اور اس کی اولاد اس کی بیماری اور موت کے وقت خود اس کے کچھ کام نہ آئی، بے عزتی کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا گیا، اس کی بیوی بھی جس طرح دنیا میں شوہر کا ساتھ دیتی تھی جہنم میں بھی اس کے ساتھ آگ میں رہے گی۔

اللہ کے نزدیک خاندان، حسب و نسب کی کوئی اہمیت نہیں!

اس سورۂ لہب سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کتنے ہی بڑے خاندان، مرتبہ اور عزت والا ہو، دولتمند ہو، قبیلہ کا سردار ہو، دنیا کے لحاظ سے قابل ترین انسان ہو، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور آپ ؐ کی اطاعت سے انکار کرے تو ذلیل کردیا جائے گا، اور اگر کوئی انسان کتنا ہی کمزور، غریب اور معمولی خاندان کا عام آدمی ہو، چاہے وہ غلام و نوکر ہی کیوں نہ ہو اگر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ ؐ کی اطاعت قبول کرلے تو وہ دنیا و آخرت میں عزت سے نوازا جائے گا۔

چنانچہ ہمیشہ سے تاریخ انسانی گواہ رہی ہے کہ جب بھی جن لوگوں نے اسلام کو

مٹانے کی کوشش کی تو اسلام ان کے قریب کے لوگوں، اولاد اور خاندانوں میں داخل ہو گیا یا وہ خود اسلام قبول کر گئے، ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل نے اسلام قبول کیا، حضرت ابو سفیان اور حضرت ہندہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا اور ابولہب اور ابو جہل کا خاتمہ ذلت کے ساتھ ہوا، حضرت بلال، حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم عام آدمی، غلام اور نوکر تھے، اسلام لا کر اونچا درجہ و مقام پائے۔

سیدہ درّہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سلوک ہے اس سے ہم مسلمانوں کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ کوئی انسان ایمان قبول کر لے تو سب مسلمان اس کی عزت و اکرام کریں، اُسے گرا ہوا اور ذلیل و حقیر نہ سمجھیں، موجودہ زمانہ میں بعض جاہل مسلمان علم کی کمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے والے غیر مسلموں کو گرا ہوا حقیر سمجھتے اور اپنے برابر کا مقام نہیں دیتے، ان کو دھیڑ، چمار اور نیچ ذات کا سمجھتے ہیں۔

مغربی ممالک ابولہب و ابو جہل کی طرح اسلام کے دشمن ہیں!

مغرب ابو جہل اور ابولہب کی طرح اسلام کا دشمن بنا ہوا ہے، اور دن رات اپنے میڈیا، اخبارات، لٹریچر اور تقاریر سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا پروگرام چلا رہا ہے اور اپنی عوام کو اسلام سے سخت نفرت دلا رہا ہے، اس کے باوجود خود انہی ملکوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، مغرب ہر طرح سے مسلم ممالک کو تباہ کرنا چاہتا ہے، ان کی دولت پر قبضہ کر کے ان کو ترقی سے اور اپنی اسلامی پہچان باقی رکھنے سے روکنا چاہتا ہے اور آپس میں لڑا کر تباہ کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح جنگ بدر میں ابو جہل کافروں کے لشکر اور مسلمانوں کی فوج کی حالت ایک دوسرے سے مختلف تھی، کافر اپنی کثرت تعداد اور سامانِ جنگ، گھوڑے، اونٹوں کی کثرت و فراوانی پر بھروسہ اور فخر کرتے ہوئے شراب، زنا اور ناچ گانا بجانا کرتے ہوئے انتہائی بے شرمی و بے حیائی کرتے ہوئے شرک میں مبتلا رہ کر بتوں پر بھروسہ

کر کے اسلام کو مٹانے آئے تھے، دوسری طرف مسلمان اللہ سے رجوع ہو کر دعائیں مانگتے ہوئے زنا، شراب اور ناچ گانے بجانے سے دور رہ کر شرم وحیاء کے ساتھ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے کم تعداد، مختصر سامانِ جنگ اور مختصر ہتھیار کے باوجود اللہ پر بھروسہ کر کے آئے تھے، اللہ نے انہیں کامیابی دی، بالکل اسی طرح آج مغرب کی پوری قوم بے شرمی و بے حیائی کے ساتھ زنا، شراب، ناچ گانا بجانا اور شرک میں ملوث رہ کر اور اپنی ایٹامک ترقی پر بھروسہ کر کے باطل ہو کر حق کو دنیا سے مٹانے آ رہی ہے، وہ پورے ایک ہو کر اسلام کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کو اپنی ترقی اور طاقت پر بھروسہ ہے، جیسے ابولہب وابوجہل اور مشرکینِ مکہ کو تھا، مگر اللہ کی مدد ان کے ساتھ نہیں، الٹا انہی کے شدید مخالفت کرنے والے اسلام قبول کر رہے ہیں، وہ مجبور ہو کر اپنی عبادت گاہیں فروخت کر رہے ہیں جو مسجدوں میں تبدیل ہو رہی ہیں اور ان کے ملکوں میں اسلام بے حد تیزی سے پھیل رہا ہے جس کو وہ روک نہیں پا رہے ہیں، گویا وہ اپنی باطل پرستی کے باوجود طاقت وقوت رکھتے ہوئے، غلبہ واکثریت رکھتے ہوئے اور مال ودولت رکھتے ہوئے ابولہب اور ابوجہل کی طرح نامراد اور ناکام ہو رہے ہیں، آئے دن ان پر آندھی، طوفان، بارش، سیلاب، نئی نئی بیماریاں، مصائب اور آگ لگنے کے عذاب آتے رہتے ہیں، ان کی زندگیوں میں سکون نہیں، وہ سکون کی تلاش میں مختلف گناہ کرتے ہیں، ان کو انسانوں یا اولاد کی تربیت اور سدھار کی فکر ہی نہیں بلکہ کتا وبلی کی تربیت پر محنت کرتے ہیں، ان کا معاشرہ پوری طرح اخلاقی اعتبار سے تباہ ہو چکا ہے۔

بچوں کو سیرت کے واقعات سے نصیحت

بچوں کو سیرت کے واقعات صرف قصے اور کہانیوں کی طرح مت سنائیے! بلکہ ان سے ملنے والے سبق، عبرت اور نصیحت کو سمجھانے کے لئے اس کتاب کے ایک ایک واقعہ کو بھی ہر روز سنائیے تاکہ صحابہ کرامؓ کے اعمال اور زندگی کی نقل کر سکیں۔

سُوْرَۃُ الْکَوْثَر پر مختصر غور وفکر

نعمتوں کے ملنے پر انسان اللہ کا خوب شکر گذار بندہ بن جائے!

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ o
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ o

ترجمہ:۔ اے نبی! ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دیا، پس آپ اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیا کریں، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

کوثر سے کیا مراد ہے؟

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا کرنے کا اظہار کیا ہے، سب سے پہلے سمجھئے کہ کوثر سے کیا مراد ہے؟

کوثر دراصل دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر عطا کرنا ہے، خیر کثیر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، رحمتیں، برکتیں، اللہ کے انعامات واحسانات، فضل وعنایات، عطا و دین وغیرہ سب کچھ شامل ہو جاتا ہے، جس کا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا، گویا کوثر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی نعمتوں اور انعامات کو شامل کر دیا ہے، اس میں لامحدود خیر کثیر مراد ہے جو بے شمار نعمتوں اور بھلائیوں پر مشتمل ہوگی، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں اور کبھی منقطع ہونے والی نہیں ہیں، اس خیر کثیر کو ہم نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔

مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی بے سروسامانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں دعوت ایمان دینا شروع کیا تو مکہ کے سارے لوگ آپؐ کے دشمن بن گئے، آپؐ پر ایمان لانے والے زیادہ تر غریب، مفلس اور غلام لوگ تھے، جو کمزور اور بے سہارا تھے، ان کو دن بھر تکالیف اور سزائیں دی جا رہی تھیں، چند لوگ سکون اور امن کی تلاش میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، بی بی خدیجہؓ اور

ابوطالب جو آپؐ کے زبردست مددگار تھے وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے، طائف کے سفر میں آپؐ کو پتھروں سے مارا گیا اور واپسی پر مکہ میں داخلہ سے بھی روک دیا گیا، ابوطالب کے بعد ابولہب جو بنو ہاشم کا سردار بنا آپؐ کو امان دینے سے انکار کر دیا اور آپؐ کو مکہ کی شہریت سے محروم کر دیا گیا، ابوطالب کے انتقال کے بعد مکہ کی زمین تنگ کر دی گئی اور آپؐ پر ظلم وستم کرنے کی ہمت بڑھ گئی، کوئی آپؐ کے چہرے پر مٹی پھینکتا، کوئی اونٹ کی اوجھڑی حالتِ سجدہ میں آپؐ کے اوپر ڈال دیتا، کعبہ کی صحن میں عبادت کرنے پر گلے میں چادر لپیٹ کر مارا پیٹا گیا، تجارت پوری طرح ختم ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً سارے مکہ والوں سے کٹ گئے، تن تنہا رہ گئے تھے، جس طرح درخت جڑ سے کٹ کر تنا رہ جاتا ہے ویسے ہی آپ پوری قوم کے مقابلہ اکیلے ہو گئے، نہ آپ کے پاس دولت رہی اور نہ کوئی طاقت واقتدار، آپؐ کا ساتھ دینے والے بے سروسامان اور کمزور لوگ تھے، ان کی بھی جان و مال کو لوٹ لیا جا رہا تھا، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپؐ کے صحابہؓ کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا، ہجرتِ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپ چھپا کر بچتے بچاتے مدینہ جانا پڑا، بظاہر اسلامی دعوت کے لئے پھیلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی پوزیشن بہت کمزور تھی۔

رسول ﷺ کی بظاہر کوئی نرینہ اولاد باقی نہ رہی جس سے نسل چل سکے:

مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی خدیجہؓ سے ۲ لڑکے اور ۴ لڑکیاں تھیں، بی بی زینبؓ سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کا انتقال ہو گیا، پھر بی بی زینبؓ کے بعد حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے، وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، عبداللہ کے انتقال پر آپؐ کے چچا ابولہب جو آپؐ کے گھر کے پڑوس میں رہتا تھا یہ اطلاع ملتے ہی غم میں شریک ہونے کے بجائے خوشی کے مارے دوڑتا ہوا مکہ کے لوگوں میں یہ کہتا پھرا کہ ''محمد ابتر (جڑ کٹے) ہو گئے''، ان کی اولاد میں اب کوئی لڑکا باقی نہیں رہا، یہی بات مکہ کے دوسرے

مشرک سردار ابوجہل، عاص بن وائل وغیرہ نے لوگوں میں عام کرنا شروع کر دیا۔

آپؐ کو ابتر کہنے کا مقصد کیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے بے یار و مددگار ہو گئے تھے اور آپ پر مسلسل غم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، پھر مشرکینِ مکہ کے خاص سرداروں کی طرف سے یہ بات بھی عام کی جارہی تھی کہ محمد (ﷺ) کی اولاد میں اب کوئی نرینہ اولاد باقی نہیں ہے، لہٰذا ان کی موت کے ساتھ ہی ان کی نسل ختم ہو جائے گی، ان کا نام اور کام چلنے والا نہیں، ان کا دین ان کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا، اس سے مقصد یہ تھا کہ نئے لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں اور ان کے اس نئے دین کو اختیار نہ کریں، اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ بھی ناامید ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں، اس لئے وہ لوگوں میں احساس پیدا کرا رہے تھے کہ محمدؐ کا نام ان کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا، ان کی جماعت نہ طاقتور لوگوں کی کوئی جماعت ہے اور نہ ان کا کوئی مضبوط پرامن ٹھکانہ ہے اور نہ ان کے کسی فرد کے پاس سیاسی اقتدار اور طاقت ہی ہے، اب ان کا یہ پیغام آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے والا نہیں ہے، ان کو کوئی ٹھکانہ اور سہارا دینے والا بھی نہیں، ان کی دعوت ان کی زندگی کے بعد ہی ختم ہو جائے گی، اس لئے کہ وہ ابتر یعنی دم کٹے اور بے جڑ ہیں، کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے، وہ سمجھتے تھے کہ انسان کا نام اس کی نرینہ اولاد ہی سے دنیا میں چلتا ہے یا پھر طاقت اور اقتدار رکھنے والوں ہی سے چلتا ہے، اس طرح وہ دعوت اسلامی کو پھیلنے سے روکنا چاہتے تھے تاکہ لوگ ناامید ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جملے ''ابتر'' (بے جڑ، دُم کٹے) کو ان پر ہی الٹ دیا اور وہ خود ابتر ہو گئے۔

اللہ کی طرف سے خیر کثیر عطاء کرنے کی خوشخبری:

ایسی پریشان کن اور بے سہارے کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ذریعہ زبردست تسلی دی اور بے انتہاء خیر کثیر عطا کرنے کی بشارت دی، جس کا اندازہ قیامت تک آنے والے انسان نہیں

لگا سکتے، اور نہ یہ مکہ کے بے شعور مشرک لگا سکتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد دنیا اور آخرت کا خیر کثیر جس میں حوض کوثر بھی شامل ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں کوثر عطاء کرنے سے مراد یہ فرمایا کہ ہم آپ کو دنیا اور آخرت میں خیر کثیر عطاء کر رہے ہیں، اس خیر کثیر میں ہر قسم کی نعمتیں، بھلائیاں، رحمتیں، انعامات، فضل وعطاء، عزت وراحت، سکون اور برکتیں سب کچھ شامل ہیں جس کا اندازہ یہ بیوقوف، نادان اور جاہل لوگ ہرگز نہیں لگا سکتے۔

آپؐ کے موجودہ ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ بیوقوف لوگ آپ کو ابتر کہہ کر طعنہ دے رہیں؛ مگر حقیقت میں وہ اولاد والے ہونے کے باوجود بے نام ونشان اور دُم کٹے ہو جائیں گے اور نہ ہی ان کا نام عزت ومحبت سے لیا جائے گا، کوثر کے ذریعہ اللہ نے آپ کو بے انتہاء خیر ہی خیر عطاء فرمانے کی خوشخبری دی۔

دنیا کے اعتبار سے رسول ﷺ کے لئے خیر کثیر کیا کیا ہیں؟

قیامت تک رسول ﷺ کو پیغمبر بنانا دنیا کے اعتبار سے بڑا خیر کثیر ہے!

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کا سردار بنایا اور آپؐ کی نبوت کو قیامت تک کے لئے جاری کر دیا، آپؐ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء بتلائی، دنیا میں آنے والے کسی نبی کی نبوت قیامت تک باقی نہیں رہی، کسی کو اتنی لمبی مدت تک نبوت نہیں دی گئی، یہ امتیاز صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، پھر آپؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر کے خاتم الانبیاء بنایا اور ختم نبوت کے ذریعہ پیغمبروں کو بھیجنے کے سلسلہ کو بند کر کے آپؐ کے نبوت والے کام کی ذمہ داری آپؐ کے امتیوں پر رکھ دی، وہ نبی کی غیر موجودگی میں نبی کی دعوت کو لیکر قیامت تک نبوت کا کام انجام دیں گے، یہ خود اس بات کا اظہار ہے کہ حقیقی اولاد نہ ہونے کے باوجود اتنا بڑا کام چلتا ہی رہے گا جو خیر کثیر ہی ہے، جو ہر ملک اور ہر علاقہ کے لوگ ہر زمانہ میں کریں گے، مکہ کے یہ نادان اور بیوقوف لوگ اللہ کے اس خیر کثیر کو کیا جانیں۔

اللہ کی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید دنیا کا سب بڑا خیر کثیر ہے:

دنیا کی تمام نعمتوں میں اللہ نے اپنی سب سے بڑی نعمت آخری وحی کی شکل میں قرآن مجید آپؐ پر نازل کیا، جو تمام آسمانی کتابوں کا مغز، عطر اور خلاصہ ہے، یہ آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ہے، تمام پیغمبروں کے معجزے ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گئے، لیکن آپؐ کا یہ معجزہ آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آج تک موجود و محفوظ ہے اور تا قیامت اس معجزہ کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، ساڑھے چودہ سو سال سے اس کی تین چھوٹی آیتوں کی طرح بھی کوئی مثال اور نمونہ پیش نہ کر سکا، اس معجزہ کا فیض اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رکھے گا، ہر زمانہ میں انسان اس کی نورانیت، حقانیت اور برکتیں دیکھ رہے ہیں، یہ ایسا خیر کثیر ہے کہ آپؐ جو معلم کتاب ہونے اور دنیا میں نہ رہنے کے باوجود بڑے بڑے کافر اور مشرک اپنے کفر اور شرک سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں، ظالم، فاسق و فاجر لوگ متقی و پرہیزگار بن رہے ہیں اور بنتے رہیں گے، یہ معجزہ ایسا خیر کثیر اور کوثر ہے کہ جو اس کے مطابق زندگی گذارے وہ دنیا میں مثالی انسان بن گئے اور دنیا سے کامیاب زندگی گذار کر چلے گئے، مکہ کے یہ بیوقوف انسان اللہ کی اس عطاء کردہ نعمت اور خیر کثیر کو کیا جانیں، ظاہری اور وقتی حالات دیکھ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہہ رہے ہیں۔

جنگ بدر کے بعد ہی دشمنانِ اسلام ابتر ہونا شروع ہو گئے:

اللہ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائے گا۔ (مسند ابو یعلی، ابن ابی حاتم) چنانچہ اللہ نے وحی کے ذریعہ سورۃ الم نشرح میں آیت: **وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔** (ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا) نازل فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زندگی میں اس آیت کی بشارت دیکھ چکے، مکہ ہی میں مشرکین مکہ تجارت، عمرہ اور حج کے لئے آنے والے تمام عرب قبیلوں میں گھوم گھوم کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چرچہ کرنا شروع کر دئے تھے اور لوگوں کو آپ سے دور رہنے کی تلقین کر رہے تھے، اس

مخالفت کی وجہ سے لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے تجسس بڑھنا شروع ہوگیا اور لوگ حقیقت جاننے آپ ؐ کی تلاش شروع کردیئے اور آپ ؐ سے ملاقات کرکے حقیقت جاننے اور اسلام قبول کرنے والوں کی نورانی زندگی دیکھ کر متأثر ہونے لگے، اس طرح سفر کیئے بغیر حج اور عمرہ کے زمانہ اور تجارتی قافلوں میں مخالفانہ سرگرمیوں سے خود بخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ پورے عرب علاقوں میں پھیل گیا، گاؤں گاؤں اسلام کے تذکرے شروع ہوگئے، فتح مکہ کے بعد خود دشمنان اسلام ابتر ہونا شروع ہوگئے، خاص طور پر صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور اسلام کے پھیلنے کو مکہ کے مشرک روک نہیں سکے، اسی زمانہ میں عرب سے باہر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچنے لگا اور عرب سے باہر بھی آپ ؐ کا ذکر عام ہونے لگا، جنگ خندق کے بعد مکہ کے ان مشرک سرداروں کا کوئی عرب قبیلہ ساتھ نہیں دیا، خالد بن ولید ؓ جیسے سپہ سالا بھی اسلام میں داخل ہوگئے، فتح مکہ کے بعد یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہنے والے خود بے نام نشان ہوکر اپنی قوت، سرداری، دولت وعزت اور سیاسی اقتدار سے محروم ہوگئے، چنانچہ آپ ؐ کے سامنے ہی آپ کی زندگی میں لاچار، مجبور و بے بس ہوکر ابتر ہوگئے، فتح مکہ کے دس سال کے اندر پورے عرب میں گلی گلی دن میں پانچ مرتبہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آوازیں بلند ہونے لگیں، چنانچہ ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا کے ہر علاقہ میں اسلام پھیل رہا ہے اور پوری دنیا میں وقفہ وقفہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان کیا جارہا ہے، ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ سے اذان آپ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات کے دروس اور چرچے پوری دنیا میں سنائے جارہے ہیں، اب گھر بیٹھے لوگ انٹرنیٹ کے ذریعہ، تیز رفتار سواریوں کے ذریعہ سفر کرکے غیر مسلموں تک آپ کی تعلیمات کو پہنچانے کی محنت کررہے ہیں، انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، ہر دن ہر روز آپ کے امتیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، یہ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی صداقت کا کھلا ثبوت ہے، مکہ کے مشرک یہ خیر کثیر کیا جان سکتے تھے، ان کو اس کی خبر نہیں تھی۔

سوائے نبی کریم ﷺ کے دنیا میں کسی پیغمبر کی زندگی تاریخ میں مکمل محفوظ نہیں!

دنیا میں بہت سے پیغمبر آئے، پچھلے پیغمبروں میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے بھی ہیں، ان لوگوں نے ان کی لائی ہوئی کتاب ہی کو بدل ڈالا اور نہ ان کے پاس خود ان کے پیغمبر کی زندگی کے حالات صحیح صحیح موجود ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو قرآن مجید کا عملی نمونہ بنا دیا تا کہ امت کے افراد کو وحی پر عمل کرنے کی عملی مثال سامنے رہے، چنانچہ سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پیغمبر کی زندگی کے حالات اور اعمال دنیا میں محفوظ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے قیامت تک ہر امتی آپؐ کی اتباع اور نقل میں قرآن مجید پر عمل کرے گا، مکہ کے مشرکوں نے سمجھا تھا کہ نرینہ اولاد نہ ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات آپؐ کی وفات کے بعد ختم ہو جائیں گی، مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ اولاد کے نہ ہونے کے باوجود آپؐ کی زندگی کا ایک ایک عمل محفوظ رہے گا، آپؐ جسمانی اعتبار سے دنیا میں موجود نہ بھی رہیں، مگر آپؐ کا ایک ایک عمل انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا، امت جب بھی آپ کی زندگی کے حالات پڑھے گی تو محسوس کرے گی کہ ہمارے ہی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، یہ بھی زبردست خیر کثیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام ارشادات اللہ نے احادیث کی شکل میں محفوظ فرما دیا:

چنانچہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات حدیث کی شکل میں محفوظ کرنے کا طریقہ جاری فرمایا، یہ بھی دنیا کے خیر کثیر میں سے بڑا خیر کثیر ہے، آج امت میں مستند علم قرآن و حدیث ہی کا مانا جاتا ہے، ساری دنیا کے مدارس میں آج ساڑھے چودہ سو سال سے حدیثوں کا درس دیا جاتا ہے، بڑے بڑے محدث پیدا ہو رہے ہیں، مکہ کے مشرکوں کو اس خیر کثیر کی کوئی خبر ہی نہیں تھی اور نہ وہ اس کو سمجھ سکتے تھے۔

چنانچہ امت مسلمہ احادیث کے ذریعہ زندگی کے تمام شعبوں کی تفصیل معلوم کر کے عمل کر رہی ہے، ساڑھے چودہ سو سال سے تمام مسلمان کھانا کھانے، پانی پینے، طہارت، بول و براز سے فارغ ہونے، سلام کرنے، نکاح کرنے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور

حج ادا کرنے، ماں باپ کی خدمت، دوستی و دشمنی، طلاق، جنابت، طہارت، وضو، غسل، حسن معاشرت، معاملات، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، شوہر و بیوی کے حقوق، والدین اور اولاد کے حقوق، یہاں تک انسان کے پیدا ہونے کے بعد پہلی ضرورت کے پورا کرنے سے لیکر مرنے کے بعد کفن دفن تک کے سارے کے سارے مسائل حل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل ہی سے رہبری حاصل کر کے عملی زندگی گذار رہے ہیں، ذرا غور کیجئے سگی و حقیقی اولاد کے نہ ہونے کے باوجود اتنا زبردست خیر پھیل رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ ہر امتی سے پھیلا کر اس خیر کثیر کا ثواب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما رہا ہے اور قیامت تک تمام امتیوں کے اعمال کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گا، کیا مکہ کے مشرک اس خیر کثیر کو سمجھ سکتے تھے، ان کو اتنے بڑے خیر کثیر کی خبر ہی نہ ہو سکتی تھی۔

اللہ نے رسول ﷺ کو زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کیلئے نمونہ بنا کر خیر کثیر عطا فرمایا:

دنیا کے کسی ایک انسان میں زندگی کے مختلف شعبوں کی خوبیاں اور کمالات جمع نہیں ہو سکتے جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے عطا فرمایا، آپؐ اخلاقیات کی بلندی پر تھے، جس کی وجہ سے انسان جس جس شعبہ میں زندگی گذارے گا وہ آپؐ کی نقل و اتباع کرنے کی کوشش کر کے کامیاب زندگی کا تصور اپنے اندر پیدا کرے گا، اللہ نے آپؐ کی زندگی کو انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے، اسی لئے ایمان والے زندگی کے مختلف شعبوں میں آپ کی زندگی سے رہنمائی لے کر نقل کرتے رہیں گے۔

- ☆ دنیا کے کسی انسان کو بہترین اور مثالی تاجر بننا ہو تو وہ آپؐ کی نقل کرے۔
- ☆ دنیا کے کسی انسان کو بہترین اور مثالی استاد و معلم بننا ہو تو وہ آپؐ کی نقل کرے۔
- ☆ دنیا کے کسی انسان کو امیر جماعت بننا ہو تو وہ آپؐ کی نقل کرے۔
- ☆ دنیا کے کسی انسان کو حکومتی اقتدار سنبھالنا ہو تو وہ آپؐ کی نقل کرے۔
- ☆ دنیا کے کسی انسان کو قوم کا سردار بننا ہو تو وہ آپؐ کی نقل کرے۔

☆ دنیا کے کسی انسان کو فوج کا سپہ سالار بننا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ دنیا کے کسی انسان کو جج اور منصف بننا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ کسی انسان کو امانتدار، دیانتدار، وعدہ کی پابندی، سچا بننا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ کسی انسان کو داعی اسلام بننا ہو اور دعوت کا کام کرنا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ دشمنوں کو دوست بنانا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ حکمت ودانائی اور دور اندیشی سیکھنا ہو تو وہ آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ مصیبت میں صبر اور نعمتوں میں شکر والی زندگی سیکھنا ہو تو آپ کی نقل کرے۔
☆ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ لوگوں کے ساتھ عفو ودرگذر ومعافی کا معاملہ کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ لوگوں کے ساتھ احسان اور مدد کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ دولت آنے کے بعد اعتدال اور شکر والی زندگی گذارنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ دوستی ودشمنی کی حدیں جاننا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ شوہر، باپ، داماد، بیٹا بن کر زندگی گذارنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ اولاد کے ساتھ حسن سلوک اور تربیت کا طریقہ جاننا ہو تو آپ ؐ کی نقل کرے۔
☆ بیواؤں سے نکاح کرنا ہو تو آپ ؐ سے سبق حاصل کریں۔
☆ غلاموں، یتیموں، کمزوروں اور محتاجوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا حق ادا کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔
☆ رشتہ داروں اور خاندانی سلوک سیکھنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔
☆ دشمنوں کو معاف کرنا ہو تو آپ ؐ سے سبق سیکھیں۔
☆ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت کرنے کا طریقہ آپ ؐ سے سیکھیں۔
☆ جانوروں کے ساتھ انصاف اور رحم دلی آپ ؐ سے سیکھیں۔
☆ غیر مسلموں کے ساتھ زندگی گذارنے کے اصول وآداب آپ ؐ سے سیکھیں۔

☆ شرم وحیاء اور پاکیزگی اختیار کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔
☆ غریبوں، غلاموں اور مساکین کو اپنا بنا کر ان کے ساتھ زندگی گذارنے کا طریقہ سیکھنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔
☆ اللہ سے محبت کرنے، مدد مانگنے اور رجوع ہونے کا طریقہ آپ ؐ کی اتباع سے سیکھیں۔
☆ اللہ کی خشیت اور خوف رکھنے کا طریقہ سیکھنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔
☆ اللہ کی عبدیت و بندگی اور تعلق قائم کرنا ہو تو آپ ؐ کی نقل کریں۔

یہ تمام اعمال اللہ نے آپ ؐ کو عطا فرمائے تھے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے زبردست خیر کثیر ہے، جس کی نقل ہر زمانہ میں مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مکہ کے مشرکین کو اس خیر کثیر کی خبر ہی نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں خود صحابہ ؓ نے سگی اولاد سے بڑھ کر ان اعمال کی نقل و اتباع کی اور آپ ؐ کے حکموں پر دوڑتے تھے، اپنے ذرا سے عمل سے بھی آپ کو ناراض نہ ہونے دیتے تھے، آپ ؐ کے وضو کے پانی کے ایک قطرے تک کو زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اپنے جسم سے مل لیتے تھے۔

صحابہ کرام ؓ رسول ﷺ کے لئے زبردست خیر کثیر ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کی نبوت کو پھیلانے اور آپ کی تربیت کے نمونے قیامت تک دنیا میں باقی رکھنے کے لئے، انسانوں میں خاص خاص چنندہ قسم کے لوگوں کو آپ کی صحبت عطا فرما کر ان کو صحابیٔ رسول بنایا اور ان کی زندگیوں کی مثالوں کو آسمان کے ستاروں کی طرح روشن رکھا؛ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نمونوں میں سے قیامت تک لوگ کسی ایک صحابیؓ کی بھی نقل و اتباع کرلیں تو نجات پا جائیں گے، دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ؓ کے علاوہ کسی بھی پیغمبر کے صحابہ ؓ کی زندگیاں نہ محفوظ ہیں اور نہ صحیح شکل میں رسالت پر عمل کرنا سکھاتی ہیں، قرآن مجید کے ایک ایک حکم پر صحابہ ؓ کو مجاہدے کروا کر انسانوں کے لئے مثال رکھی گئی، حالانکہ مشرکینِ مکہ نے بظاہر صحابہ ؓ کو لوٹا، مارا، قتل کیا اور بے وطن کر دیا، بظاہر وہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کے عمل سے اسلام کو وہ مٹا دیں گے، مگر صحابہ ؓ

کے وہی اعمال امت کے لئے زندگی گذارنے کی رہبری بن گئے، صحابہؓ کی زندگیاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیر کثیر بن گئیں، جس کو مکہ کے مشرک سمجھ نہیں سکتے تھے۔

رسول ﷺ کو اللہ نے نرینہ اولاد کا نعم البدل روحانی اولاد کی شکل میں عطا کیا:

بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد انتقال کرگئی اور مکہ کے مشرک آپؐ کی اولاد کے انتقال پر یہ سمجھ رہے تھے کہ اب محمدؐ ابتر ہیں، مگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج زائد از ساڑھے چودہ سو سال دنیا کے ہر ملک، ہر خطہ، ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں ایسی روحانی اولاد عطا فرما رہا ہے جو نہ آپ کے وطن کے لوگ ہوتے ہیں نہ آپ کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور نہ ہی آپ کی نسل کے ہوتے ہیں، نہ آپ کی زبان جانتے ہیں، نہ انہوں نے کبھی آپؐ کو دیکھا اور نہ انہوں نے آپؐ کی صحبت پائی، بلکہ آپؐ کے شہر سے ہزاروں میل دور رہنے اور کئی سالوں کے بعد پیدا ہونے، رنگ و نسل اور خاندان و قبیلے الگ الگ ہونے اور زبانوں کا فرق رکھنے کے باوجود آپ کی حقیقی اولاد سے بڑھ کر محبت کرنے والے بنے اور اپنی جان و مال سب چیزوں سے زیادہ آپؐ سے محبت کرنے والے بنے، وہ آپؐ پر سگی اولاد سے زیادہ قربان ہوکر محبت میں جان بھی قربان کرنے والے بنے اور آپؐ کے امتی بن کر فخر محسوس کرتے اور دل و جان سے آپؐ کے امتی بنے رہتے ہیں، دنیا کا ہر قسم کا ظلم، ناانصافی اور فساد و تکالیف برداشت کئے، بار بار لُٹنے اور پٹنے کے باوجود آپؐ پر ایمان سے منحرف نہیں ہوئے، اس طرح کے امتی اللہ تعالیٰ آپؐ کو تا قیامت عطا فرمائے گا، چنانچہ شروع کے زمانہ سے اگلے زمانوں میں امتیوں کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے، اور تمام پیغمبروں کی امتوں میں آپؐ کی امت سب سے بڑی امت ہوگی، چنانچہ قیامت کے دن تمام امتوں کی جملہ ۱۲۰ر صفیں ہوں گی، ان میں ۸۰ر صفیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوں گے، مکہ کے مشرک صرف نرینہ اولاد کے انتقال پر سمجھ رہے تھے کہ محمدؐ دُم کٹے ہیں، ان کی موت کے بعد ان کا پیغام ختم ہوجائے گا، ان کو اس خیر کثیر کی خبر ہی نہ ہوسکی اور نہ وہ اس خیر کثیر کو سمجھ سکتے تھے۔

چنانچہ حج کے ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ امتی اپنی لاکھوں روپیوں کی دولت خرچ کر کے دنیا کے کونے کونے سے کعبۃ اللہ آ کر حج کر رہے ہیں اور ہر سال حاجیوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، اگر مکہ کے مشرک آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں پھٹ جاتیں اور تقریباً تمام حاجی آپؐ کے شہر مدینہ آ کر آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت کرنے کے لئے ایسے تڑپتے ہیں جیسے اولاد اپنے ماں باپ سے ملنے کے لئے تڑپتی ہے، اور وہ زیارت کر کے یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے آپؐ سے ملاقات کی، دنیا میں کسی نبی کی قبر کی زیارت کے لئے ان کا کوئی امتی نہیں جاتا، مگر یہ اللہ کی طرف سے کیسا انعام اور عزت عطا کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہ ہونے کے باوجود ان کے امتی ان کی قبر کی زیارت کر کے سکون پاتے اور اپنے ایمان میں اضافہ محسوس کرتے ہیں اور ویسا ہی ادب و احترام کرتے ہیں جیسے سگی و حقیقی اولاد زندگی میں کرتی ہے، یہ سلوک، یہ عزت، یہ احترام اور یہ مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی اولاد نہ ہونے کے باوجود روحانی اولاد سے عطا فرمایا، یہ خیر کثیر مکہ کے مشرک کیا جانیں، صرف انہوں نے ظاہری حالات کو دیکھ کر دم کٹے کہہ دیا۔

دنیا میں ضروری نہیں کہ نرینہ اولاد ہی سے نام چلے:

دنیا میں انسان کو اس کی نسل سے نرینہ اولاد (مرد بچے) پیدا ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ نرینہ اولاد سے ایسا خیر کثیر چلے جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ یا بزرگانِ دین کا دنیا میں چل رہا ہے، سگی اولاد سے صرف ایک دو نسل ہی تک نام چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر آپؐ کی نرینہ اولاد کو زندہ نہیں رکھا تو کیا ہوا وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے بتلا دیا کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نرینہ اولاد نہ ہونے پر ابتر کہتے ہیں تو کہیں؛ مگر اللہ آپؐ کو روحانی اولاد کی شکل میں قیامت تک ایسے امتی عطا فرما رہا ہے جو آپؐ کو اپنی جان سے زیادہ محبت کرتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل بی بی فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے چلائی اور دنیا میں آج زائد از ساڑھے چودہ سو سال سید

کہلانے والے لوگ ہر ملک میں رہے اور رہیں گے، آپ ؐ کی امت میں کوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسل سے چل کر صدیقی کہلاتا ہے، کوئی حضرت عمر فاروقؓ کی نسل سے چل کر فاروقی کہلاتا ہے، کوئی حضرت عثمان غنیؓ کی نسل سے چل کر عثمانی کہلاتا ہے، کوئی عباسی اور کوئی انصاری کہلاتا ہے۔

دوسری طرف دنیا میں ابوجہل، ابولہب اور عاص بن وائل کی نسل بھی جاری ہے مگر کوئی انسان بھی یہ نہیں کہتا ہے کہ ہم ابوجہل کی نسل اور ابولہب کی نسل سے ہیں، دنیا میں ان کی نسل کا وجود ہونے کے باوجود نظر ہی نہیں آتا، البتہ بُرائی کا انجام بُرا بتلانے اور جہنم والی زندگی کو سمجھانے، شرک و نافرمانی کی زندگی کو سمجھانے ان مشرکوں اور کافروں کے نام بطور لعنت کے لیا جاتا ہے، ذرا غور کیجئے قرآن نے صحیح کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہی ابتر و بے نام و نشان اور دم کٹے ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔

ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا میں ہزاروں مدارس کا چلنا خیر کثیر ہے

اللہ تعالیٰ کا آپ ؐ پر انعام و فضل یہ ہے کہ آپ ؐ کے دنیا میں نہ ہونے کے باوجود آج ساڑھے چودہ سو سالوں سے دنیا بھر میں ہزاروں مدرسوں میں آپ ؐ کی تعلیمات پڑھا کر لوگوں کو امت کیلئے عالم، مفتی، مفسر اور محدث بنا رہے ہیں، یہ خیر کثیر انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، ہر مدرسہ میں ہر روز قرآن و حدیث کا درس ہوتا ہے اور اس سے مسائل بتلائے جاتے ہیں جو امت مسلمہ کو دنیا کی زندگی میں بہت بڑی رہبری کا ذریعہ بنتا ہے، مکہ کے مشرک کہہ رہے تھے کہ آپ کے بعد آپ ؐ کا کام اور دعوت دینے چلنے والی نہیں، یہ کھلا خیر کثیر ہے کہ آپ کے دنیا میں نہ ہونے کے باوجود آپ ؐ کی تعلیمات ہر روز پوری دنیا میں پڑھائی جارہی ہیں اور ہزاروں داعی آپ ؐ کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں، مکہ کے مشرک اس خیر کثیر سے واقف ہی نہ تھے۔

وقفہ وقفہ سے اذان میں آپ ؐ کے نام و رسالت کا اعلان خیر کثیر ہے:

اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اولاد نہ ہونے اور دنیا میں آپ ؐ کے

موجود نہ رہنے کے باوجود ایسا انتظام کیا ہے اور ایسا خیر کثیر دیا ہے کہ کسی نبیؑ کا نام دنیا میں پانچ وقت وقفہ وقفہ سے پکارا نہیں جاتا، نہ کسی نبی کی نبوت کا اعلان ہوتا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ماننے والے بھی دنیا میں موجود ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب ہی مانتے ہیں، مگر اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خیر کثیر سے نوازا کہ اذان کے ذریعہ دن میں پانچ مرتبہ پوری دنیا میں وقفہ وقفہ سے محمد رسول اللہ کی نبوت کا اعلان کیا جاتا ہے اور آپؐ کے ہی پیغمبر ہونے کی گواہی پوری دنیا میں سنائی جاتی ہے۔

ہر روز امت کے لوگ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں یہ بھی خیر کثیر ہے:

اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا طریقہ انسانوں میں رکھا ہے کہ ہر امتی ہر نماز میں التحیات کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور ہر نماز میں درودِ ابراہیم کے ذریعہ آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے، جسے فرشتے آپ کی قبر اطہر تک پہنچاتے ہیں امتِ مسلمہ کے افراد آپؐ پر اپنے اپنے مقام سے علاحدہ درود شریف پڑھ کر آپؐ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور درجات کی بلندی کے لئے دعاء کرتے ہیں، اذان کے بعد دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا کرنے کی دعا مانگتے ہیں، مدینہ جا کر قبر اطہر کے پاس آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کثرت سے درود پڑھتے ہیں، کیا یہ سب خیر کثیر نہیں ہے؟ بے شک اللہ کی کثیر عطاءِ خیر ہے جس کا مکہ کے مشرک اندازہ نہیں لگا سکتے تھے، اللہ نے ہر امتی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی درود پڑھنا لازم قرار دیا ہے، ورنہ اس پر لعنت کی بد دعا حضرت جبرئیلؑ سے کرائی، یہ کیسی بہترین عطاء و دین ہے، جمعہ کے دن خاص طور پر آپؐ پر درود بھیجا جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ میں اللہ نے محمدؐ رسول اللہ کا اقرار کرنا لازم کر دیا' یہ بھی خیر کثیر ہے!

اللہ نے اسلام کا کلمہ طیبہ یا کلمہ ٔ ایمان یا کلمہ توحید ایسا رکھا ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمہ طیبہ میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد

رسول اللہ کا اقرار کرنا لازم کر دیا، تب ہی وہ ایمان والا بن سکتا ہے اور اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، اگر کوئی صرف لا الہ الا اللہ کہے اور محمد رسول اللہ کو نہ مانے تو مسلمان نہیں بن سکتا، اللہ نے اپنے نام اور توحید کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننا لازمی بنا دیا اور آپ ؐ کا نام اپنے نام کے ساتھ رکھا، پھر اللہ نے ایمان والوں کو یہ تعلیم دی کہ جو محمد رسول اللہ کی اتباع کرے گا وہ اللہ کی اطاعت کرنے والا مانا جائے گا، جو اللہ کی اطاعت وعبادت اور بندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور نقل سے ہٹ کر کرے گا اس کی بندگی قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو اللہ کا مطیع نہیں مانا جائے گا، یہ اللہ کی طرف سے کیسا فضل و انعام اور عطاء و دین ہے، اس کو خیر کثیر ہی کہیں گے، پھر کلمہ طیبہ کو افضل ذکر بنا دیا جس کی وجہ سے امتی دن رات میں جب بھی یاد آ جائے کلمہ پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کرتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس خیر کثیر سے امت کے بزرگوں کو بھی خیر عطاء کر رہا ہے:

اللہ نے انسان کے مرنے کے ساتھ ہی جنت و دوزخ کا فیصلہ نہیں رکھا؛ بلکہ ہر انسان کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا، جب دنیا میں عمل کرنے کے حالات پوری طرح ختم ہو جائیں گے، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد جو جو مسلمان آپ ؐ کے نمائندہ بن کر دین کو پھیلائیں گے، لوگوں کی اصلاح کریں گے، ان کے اعمالِ صالحہ سے جو خیر دنیا میں پھیلے گا اس کا اجر وثواب مسلسل ہر محنت کرنے والے کو پورا پورا دیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ بھی خیر کثیر سے آخرت میں فائدہ حاصل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازنا چاہتا ہے تو اس کی قدرت کو کوئی سمجھ نہیں سکتا:

ذرا غور کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قیامت تک نہیں تھی، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اپنے وقت میں آئے اور دعوت دی، کعبۃ اللہ کی تعمیر کی اور چل بسے، ان کے امتی مختصر تھے، اللہ تعالیٰ کی عطاء اور دین دیکھئے کہ اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ کی دعاء بنا کر آپ ؐ کی نسل میں بہت عرصہ بعد پیدا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام مسلم حضرت

ابراہیمؑ کے نام پر رکھا اور امت محمدیہ کے لئے کعبۃ اللہ کا حج وعمرہ مقرر کردیا اور حج میں سارے اعمال ونقل امت محمدیہ سے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کی کروارہا ہے اور امت محمدؐیہ کے لئے ہر سال ساری دنیا میں حضرت ابراہیمؑ کی سنت قربانی کرنے کا طریقہ رکھا، اب ساڑھے چودہ سو سالوں سے امت محمدؐیہ میں حج و عمرہ اور قربانی کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک انشاءاللہ جاری رہے گا۔

اس طرح امت محمدیہ کے اعمال سے باوجود امت محمدیہ حضرت ابراہیمؑ کی امت نہ ہونے کے یہ سارا خیر کثیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل وعیال کو عطا فرمارہا ہے، اجر و ثواب میں ان کو بھی شریک کردیا، درودِ ابراہیم کو نماز میں پڑھوا کر ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ پر بھی بھیجوا رہا ہے، بھلا جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کو جلانا چاہتے تھے، وہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اللہ کے اس خیر و برکت اور عطاء کو کیا جانتے، اللہ تعالیٰ شر سے خیر نکالتا ہے اور خیر سے شر، ان کو کیا معلوم تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی صلب سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے والے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپؐ کی شریعت کے مطابق ہر سال حج وعمرہ کریں گے اور یہ خیر کثیر قیامت تک جاری رہے گا، اس خیر کثیر میں حضرت ابراہیمؑ بھی شامل اور حصہ دار بن جائیں گے، اس لئے اللہ کی قدرت کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، انسان کو چاہئے کہ ظاہری حالات دیکھ کر کوئی نظریہ قائم نہ کریں۔

آخرت کے اعتبار سے خیر کثیر کا مختصر بیان ذہن میں رکھیں

بچوں کے لئے بہت زیادہ بات ہوجانے کے ڈر سے آخرت کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خیر کثیر ملنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی اچھی طرح جانتے ہیں مگر پھر بھی احادیث کے ذریعہ جو جو باتیں بتلائی گئی ہیں ان کا مختصر بیان ذہن میں رکھئے۔

☆ سارے لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، حساب کتاب شروع نہ ہونے سے ہر

امت اپنے اپنے پیغمبر سے اللہ سے حساب کتاب شروع کرنے کی درخواست کرے گی تو سب لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے آپ ؐ کی نشاندہی کریں گے، آپ ؐ سجدے میں گر کر اللہ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب شروع کرنے کی درخواست کریں گے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حشر کے میدان میں مقام محمود دیا جائے گا۔

☆ تمام امتوں پر پیغمبروں کی حجت تمام ہونے کی امتِ محمدیہ گواہی دے گی۔

☆ جنت میں نہر کوثر عطا کی جائے گی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ؐ کی امت کے لئے حوض کوثر عطا کیا جائے گا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

☆ حشر کے میدان میں سگی اولاد سے زیادہ سب سے زیادہ آپ ؐ ہی کی امت ہوگی۔

نعمتیں ملنے پر اللہ کے شکرگذار بندے بنے رہنے کی تعلیم

اللہ نے سورۂ کوثر میں ان انعامات اور اس خیر کثیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کرنے اور قربانی دینے کی تعلیم دی ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت مسلمہ کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نعمتوں اور برکتوں سے نوازے تو تم بھی مزید اللہ کے شکرگذار بندے بن کر دن رات اللہ کی حمد وتعریف، عبادت واطاعت کرو، دنیا کی ہر چیز میں قربانی کا مزاج ہے، جانور اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لئے تیار رہ کر قربانی دیتا ہے، درخت اور پودے کٹ کر اور اپنے پھل، ترکاریاں اور غلہ دے کر قربانی دیتے ہیں، زمین پھٹ کر زراعت کے لئے قربانی دیتی ہے، پانی بھاپ اور اَبر بن کر قربانی دیتا ہے، ہوائیں کاربن ڈائی آکسائیڈ بن کر قربانی دیتی ہیں، اسی قربانی کی وجہ سے ساری مخلوقات اللہ کی دن رات اطاعت وعبادت کررہی ہیں، انسان بھی اگر قربانی دینے والا بن جائے تو وہ اللہ کا کامیاب بندہ بن سکتا ہے، آخرت کی کامیابی حاصل

کرسکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے عبادت بھی خوب کی اور قربانیاں بھی خوب دیں جس کی وجہ سے دین ہم تک پہنچا، اسی وجہ سے وہ خیر کثیر سے نوازے گئے، دنیا میں بھی وہی قوم ترقی کرے گی اور اونچا مقام حاصل کرے گی جو قربانی دینے کا مزاج رکھتی ہو جو قربانی کے مزاج سے دور ہو وہ دوسروں کی غلام اور محتاج ومجبور بن کر رہے گی۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صرف جانور ہی کو ذبح کرکے قربانی دینے والے نہ بنیں؛ بلکہ بے پردگی چھوڑ کر، رشوت وحرام مال چھوڑ، کرفضول خرچیاں چھوڑ کر، شادیوں کے نام پر گھروں کو لوٹنا چھوڑ کر، بے نمازی پن چھوڑ کر، یہود ونصاریٰ کی نقل چھوڑ کر، گالیاں دینا چھوڑ کر، جھوٹ بولنا چھوڑ کر، تقویٰ وپرہیز گاری کی زندگی اختیار کر کے قربانی دینے والے بنیں، ورنہ قیامت کے دن جانور اللہ سے شکایت کرسکتا ہے کہ اس نے صرف زبان کے مزے کی خاطر مجھ کو ذبح کیا، مگر اپنے نفس پر چھری نہیں چلائی۔

تمام عبادتوں میں نماز سب سے بڑی عبادت ہے، جو اللہ سے دوستی کرنے، ملاقات کرنے، اپنے ایمان کو تازہ کرنے، بے حیائی وبے شرمی سے بچنے، اپنی فریاد رکھنے اور اپنے مسائل کو پیش کرنے، شکر گذاری کرنے، غلامی کا اظہار کرنے، وفاداری کا اظہار کرنے، فرمانبرداری کا اظہار کرنے کا بہترین وعمدہ اور جامع اعلیٰ ترین طریقہ نماز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اس خیر کثیر سے قیامت تک ایمان والوں کو دنیا میں خیر ہی خیر لوٹنے کا زبردست موقع رکھا ہے، رسول اللہ ﷺ جب راتوں میں عبادت کرتے اور عبادت میں کھڑے ہونے سے پیروں پر سوجن آجاتی تو صحابہؓ اور خاص طور پر بی بی عائشہؓ نے کہا: یارسول اللہؐ! اللہ آپ کو سلامت رکھے، آپ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں جبکہ اللہ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادئے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اے عائشہ! جب میرے رب نے مجھ پر بے انتہاء کرم واحسان کیا ہے تو کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟!"۔

بچوں کی سمجھ کے مطابق صرف دنیا کے مشاہدہ میں آنے والے خیر کثیر ہی کو مختصر بیان کردیا گیا؛ تاکہ ایمان میں اضافہ ہو، آخرت کا خیر کثیر جاننے کیلئے تفاسیر واحادیث پڑھئے۔

سورۂ کہف کے فضائل اور اس کا خلاصہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا، دوسری روایت میں اسی طرح کا مضمون اس اضافہ کے ساتھ آیا ہے کہ آخری دس آیتیں یاد کرنے پر بھی وہی فضیلت ہے۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھ لے اس کے لئے اس کے سر سے پیر تک ایک نور ہو جاتا ہے اور جو پوری سورۃ پڑھ لے تو اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، بیہقی)

بعض روایات میں ہے کہ سورۂ کہف کی تلاوت جمعہ کے دن کرنے سے ایک نور ملے گا جو قیامت کے دن روشنی دے گا اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لے وہ آئندہ جمعہ تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر دجال نکل آئے تو یہ اس کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا۔

اس سورۃ کے اصل مضامین:

اس سورۃ میں تین سوالات کے جواب دئے گئے ہیں:

(۱) اصحاب کہف کون تھے؟

(۲) روح کیا چیز ہے؟ یا حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا (اختلاف ہے)۔

(۳) سکندر ذوالقرنین کون تھے؟

اس سورۃ کو سمجھنے کے لئے مکی دور کے کچھ حالات ذہن میں رکھیں:

رسول اللہ ﷺ کے دعوتِ ایمان دینے کے ساتھ ہی مشرکین مکہ اپنی پوری قوت اور طاقت سے اسلام کے چراغ کو پوری طرح بجھا دینا چاہتے تھے، مدینہ کے یہود ونصاریٰ جو ان کی مدد کررہے تھے وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ مکہ سے اٹھنے والی اس دعوت کا مکہ ہی میں دب کر اپنے ہی اصلی مقام پر مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں خاتمہ ہوجائے۔

چنانچہ مشرکین مکہ غریب اور کمزور مسلمانوں پر ظلم پر ظلم کئے جارہے تھے، ان کو دولت سے محروم کررہے تھے، مار پیٹ اور قتل بھی کیا جارہا تھا، سکون کی فضاء تلاش کرنے کے لئے بعض مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنی پڑی، بچے ہوئے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصور کرکے ان کا ۳/سال تک بائیکاٹ کیا گیا، جیسے ہی حضرت ابوطالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا مکہ کی زمین رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لئے تنگ کردی گئی، طائف والوں کے انکار اور سفر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی شہریت منسوخ کرکے ابولہب نے امان دینے سے انکار کردیا، پھر رسول اللہ ﷺ کو قید کرنے یا قتل کردینے کا منصوبہ بنایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، ان حالات میں سورۂ کہف نازل کرکے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو اصحاب کہف کا واقعہ بتا کر ہمت اور تسلی دی اور بتلایا کہ اصحاب کہف کے ساتھ جو حالات آئے تھے وہی آپؐ کے ساتھ ہورہا ہے، جس طرح ہم نے اصحاب کہف کی حفاظت کی ویسی ہی آپؐ کی بھی حفاظت کریں گے۔

ہر زمانہ میں ایمان والوں پر ظلم کیا گیا اور قیامت تک ستایا جائے گا:

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو سورۂ کہف کے علاوہ قرآن و حدیث کے ذریعہ بہت سے واقعات میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی جان ومال کو لوٹا گیا، ان کو گھروں سے نکالا گیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں یہاں تک فرمایا کہ پچھلی امتوں میں ایمان قبول کرنے والوں کو آگ میں جلایا گیا، ان پر لوہے کی کنگھیوں سے زندہ حالت میں گوشت ادھیڑا گیا اور کھڑے قد سر پر سے آرا چلایا

گیا، اصحاب اخدود کو بڑے بڑے گڑھے کھود کر آگ جلا کر اس میں ان کو جلا دیا گیا، فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کیا، پیغمبروں کو قتل کیا گیا، اصحابِ کہف کا واقعہ سنا کر ان پر بھی کئے گئے ظلم کو بتلایا گیا، یہ سب شیطان کی چال کفار اور مشرکین ادا کرتے ہیں، شیطان کے بہکاوے میں آکر ایمان قبول کرنے والوں پر قیامت تک ظلم کے پہاڑ توڑنے کی کوشش کریں گے، مگر ہر زمانہ میں ان تمام زیادتیوں کے باوجود ایمان والوں نے ایمان نہیں چھوڑا، دنیا کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دی، دنیا میں سب سے قیمتی چیز ایمان ہے، پچھلے لوگوں نے ایمان کو بچانے میں اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی۔

ایمان والوں کو ہر زمانہ میں نئے نئے فتنوں سے سابقہ پڑتا رہے گا:

غیر مسلم ہر زمانہ میں اسلام کو مٹانے اور کمزور کرنے کے لئے اسلام کے خلاف نئے نئے فتنے برپا کریں گے اور انہوں نے ایمان والوں کو اسلام پر چلنے کے لئے مشکلات پیدا کئے اور کرتے رہیں گے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب اور دوسرے نبوت کا دعویٰ کر کے بہت سے مسلمانوں کو گمراہ کیا، ۴۰ رہزار سے زیادہ مسلمانوں کو گمراہ کر کے مسلمانوں سے جنگ کی۔

☆ ہر زمانہ میں منافقین مسلمانوں میں رہ کر مشکلات پیدا کرتے رہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عبد اللہ بن سبا (یہودی) نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا، سبائی فتنے سے مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو کر جنگیں ہوئیں۔

☆ حضرت عثمان غنیؓ پر حملہ کر کے شہید کیا گیا اور صحابہؓ میں غلط فہمیاں پیدا کرائی گئیں۔

☆ حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا اور حضرت حسینؓ کو شہید کیا گیا۔

☆ جنگ جمل وغیرہ میں مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کروا کر جنگیں کرائی گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ تعلیم دی کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ اس میں فتنے اس قدر اٹھیں گے جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں ویسے ہی دنیا میں فتنے رونما ہوتے رہیں گے، چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ انسان صبح میں ایمان لائے گا اور شام

میں انکار کردے گا، شام میں ایمان پر رہے گا اور صبح ہونے تک ایمان سے خارج ہو جائے گا، ان فتنوں کی وجہ سے انسان کو ایمان پر قائم رہنا اور اسلام پر چلنا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ موجودہ زمانہ میں بھی فتنوں کی بہتات ہے، دجال جو فتنوں کا مرکز ہوگا اس کے آنے سے پہلے اس کے فتنوں کی شاخیں اس زمانہ میں بھی ہمیں آسانی سے نظر آرہی ہیں۔

☆ کہیں قرآن کی دوسری شکل دے کر الفرقان کے نام سے کتاب شائع کی گئی۔

☆ کہیں قرآن میں سے یہود و نصاریٰ کے متعلق آیتیں نکالنے کا مطالبہ کیا گیا۔

☆ کہیں عورتیں یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت امامت و نکاح پڑھا رہی ہیں۔

☆ کہیں حضور ﷺ کی شبیہ بنا کر توہین کی جارہی ہے اور خیالی تصویر بنا کر آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ پر فلمیں بنائی جارہی ہیں۔

☆ کہیں وقفہ وقفہ سے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور توہین کی جارہی ہے اور کارٹون بنا کر مذاق اڑایا جارہا ہے۔

☆ کہیں قرآن مجید سے جہاد کی آیتیں نکالنے کی بات کی جاتی ہے۔

☆ کہیں کافر و مرتد لوگ یونین بنا کر غیر مسلم علاقوں کے ٹی وی پر ان کو مسلمان ملکوں میں مسلمانوں جیسے حقوق اور آزادی دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور مرتد لوگوں کے خیالات کو ٹی وی سے نشر کر کے یہ بتلایا جارہا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے فلاں فلاں اصول اور قانون سے بیزار تھے، ان کو بھی مسلم ممالک میں رہنے کا حق دیا جائے اور ان کے بھی حقوق مقرر کئے جائیں۔

☆ کہیں وقفہ وقفہ سے کذاب لوگ رسالت کا اعلان کرتے ہیں۔

☆ کہیں کھلے طور پر ایمان والوں کو وطنیت سے محروم کر کے قتل عام کیا گیا اور ملک سے دربدر کیا گیا اور اسی طرح کی مزید سازشیں کی جارہی ہیں۔

☆ کہیں ایمان والوں کو خوشحالی اور ترقی پر ان کے معاشرہ میں فسادات کروا کر ان کی جانوں اور مالوں کو لوٹا جاتا ہے، دُکانوں اور گھروں کو جلایا جاتا ہے۔

☆ کہیں ان کو روزگار سے محروم رکھا جاتا ہے۔

☆ کہیں دہشت گرد اور بنیاد پرست کہہ کر جیلوں میں سالوں بند رکھا جاتا ہے۔

☆ قرآنی احکام کو خود مسلم حکومتوں میں حکومتی سطح پر نافذ نہ کرنے کا دباؤ ڈالا جاتا ہے اور سیکولرازم کے تحت حکومت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

☆ کہیں اسلامی تعزیراتی احکام کو ظلم بتلا کر نافذ کرنے سے روکا جاتا ہے۔

☆ شراب، سود اور جوے کا نام بدل کر ان کو مسلم ممالک میں عام کیا جاتا ہے۔

☆ نائٹ کلب کھول کر عورتوں کو نچا کر مسلم نوجوانوں کو شراب وعیش اور برائیوں کا عادی بنایا جارہا ہے۔

☆ جو عورتیں یوروپین ممالک میں اسلام قبول کرتی ہیں ان کو باہر سے آئے ہوئے غیر ملکی مسلمانوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔

☆ مسجدیں بنانے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے یا پھر ان پر مینار لگانے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔

☆ عورتوں پر پردہ کرنے سے پابندی لگائی جارہی ہے یا پھر ان کو اسکارف تک سر پر رکھنے سے منع کر دیا جاتا ہے۔

☆ غرض مسلمانوں کو غیر مسلم معاشرہ میں اپنی شناخت نمایاں رکھ کر زندگی گذارنے نہیں دیا جارہا ہے۔

☆ کہیں مسلمانوں میں گمراہ لوگوں کے ذریعہ مختلف فرقے بنائے گئے اور مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے ہٹایا جارہا ہے۔

☆ کہیں حلال گوشت فروخت کرنے کے پرمٹ منسوخ کئے جارہے ہیں، خنزیر کا گوشت استعمال کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

☆ بچوں میں شرم وحیاء ختم کرنے بچپن ہی سے سیکس کی تعلیم کو لازم کر دیا گیا۔

☆ غیر مسلموں کے عقائد اور مذہبی رسم ورواج کو ٹی وی ڈراموں کے ذریعہ عام کیا گیا۔

☆ برہنہ اور نیم عریاں لباس کو فیشن بنا کر پیش کیا گیا۔

☆ نوجوان لڑکیوں کو جسم پر کم سے کم کپڑا رکھنے کا عادی بنایا گیا۔

☆ عورتوں کو مردوں کے برابر رہنے، ان کے ساتھ مخلوط تعلیم حاصل کرنے اور نوکریاں کرنے کی ترغیب دی گئی۔

☆ گھروں میں بندر رہنا جہالت اور ظلم سمجھا کر بے پردگی کو عام کیا گیا۔

سورۂ کہف کے مضامین کو ذہن میں رکھنے سے فتنوں سے حفاظت ہوگی:

بیان کردہ تمام حالات دجال کے فتنوں ہی سے ملتے جلتے ہیں، دجال کا اصل فتنہ یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو ایمان اور اسلام سے ہٹانے کا کام کرے گا، اس کے ساتھ جو بھی حالات ہوں گے اس سے ایمان کا محفوظ رہنا بہت مشکل ہوگا، دجال کے فتنے سے محفوظ رہنے سے مراد ایمان و اسلام کی سلامتی اور حفاظت ہے، حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ کہف پڑھنے اور اس کے سمجھتے رہنے پر یہی بشارت دی ہے کہ ایک ایمان والا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایمان کے ضائع ہونے سے بچا رہے گا اور اپنے ایمان کو طاقتور رکھ سکے گا، موجودہ زمانہ میں دنیا کے ہر ملک اور خطہ میں مسلمانوں کو اسلام پر سے مختلف طریقوں سے ہٹانے کے لئے ہر دن نئے نئے طریقے بنائے جارہے ہیں اور اسلام پر مختلف طریقوں سے حملے کئے جارہے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ کہف کی یہ تاثیر بتلائی ہے کہ جو کوئی سورۂ کہف کی تلاوت (سمجھ کے ساتھ) کرے گا وہ ہر زمانہ کے فتنوں سے محفوظ رہے گا، ظاہر بات ہے کہ جو سورۃ دجال کے فتنے سے بچاسکتی ہے جو بڑا اور اصل فتنہ ہے تو وہی سورۃ اس سے پہلے تمام چھوٹے چھوٹے بیہودہ فتنوں سے بھی بچائے گی، فتنے انسان کے افکار و خیالات اور ایمان و اعمال کو متاثر کرتے ہیں، فتنوں کے دور میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا بہت ضروری ہے، ایمان والوں کو ہر زمانہ میں فتنوں سے سابقہ پڑتا رہے گا، اسلام کی اصطلاح میں فتنہ آزمائش کو کہتے ہیں، اس لئے ہم اپنے بچوں کو بچپن ہی سے دنیا میں اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے فتنوں سے واقف کرواکر

سورۂ کہف کا مختصر خلاصہ ان کے ذہنوں میں ڈال کر ان کے ایمان میں مضبوطی اور سلامتی پیدا کرنے کی غرض سے کچھ تفصیل بیان کر رہے ہیں، اسے بچوں کو بچپن سے سنایا کیجئے۔

سورۂ کہف کا خلاصہ:

اس خلاصہ کا خاکہ ذہن میں رکھ کر سورۂ کہف کی تلاوت کیجئے انشاء اللہ ایمان میں مضبوطی پیدا ہوگی اور بچوں میں اصحاب کہف جیسا ایمانی عقیدہ پیدا ہوگا۔

جب مکہ میں اسلام کی دعوت عروج پر تھی اور حق و باطل میں زبردست ٹکراؤ پیدا ہو گیا تھا تو مشرکین مکہ نے اسلام کی آواز کو بند کرنے کے لئے مدینہ کے یہود و نصاریٰ سے بھی مدد لی، وہ جانتے تھے کہ مدینہ کے یہودی بھی آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں، لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھوٹا ثابت کرنے اور آپ کا منہ بند کرنے کے لئے مدینہ میں ان کے پاس دو آدمیوں کو بھیج کر صورتحال سمجھائی اور آپ کی دعوت میں رُکاوٹ کھڑی کرنے کا مشورہ کیا اور جاننا چاہا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

یہودی علماء نے ان سے کہا بیان کردہ تین سوالات (جو اوپر بیان کئے گئے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، اگر وہ سچے نبی ہیں اور ان کے پاس غیب سے کوئی علم آتا ہے تو وہ ان سوالات کے جوابات دے دیں گے، اگر وہ نہیں بتا سکے تو وہ نبی نہیں ہیں، یہ لوگ مکہ واپس آکر نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تینوں سوالات کے تفصیلی جواب دریافت کئے۔

نبی ﷺ نے وحی کے اعتماد پر کل جواب کا وعدہ کیا اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے:

دوسرے دن وحی الٰہی نہیں آئی، ایک روایت میں ہے کہ ۱۵/دن تک اور ایک روایت کے مطابق ۴۰/دن تک وحی نہیں آئی، مشرکین مکہ روزانہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور جواب نہ ملنے پر آپ کی نبوت کا مذاق اُڑاتے اور طعنے مارتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج و غم ہوتا تھا۔

جب کچھ وقفہ کے بعد سورۂ کہف نازل ہوئی تو اس میں وحئ الٰہی کے دیر سے نازل

ہونے کا سبب بھی بیان کیا گیا اور تاکید کی گئی کہ آئندہ سے جب بھی آپ وعدہ کریں تو ضرور انشاء اللہ ''اگر اللہ نے چاہا تو'' کہا کریں، اگر اس وقت یاد نہ آئے تو بعد میں کہنا چاہئے ،یعنی اگر اللہ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا۔

بیان کردہ سوالات کا تعلق عیسائی تاریخ سے تھا جو یہودی اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین کو غیر معمولی واقعہ کی حیثیت سے پڑھتے اور جانتے تھے۔

اصحابِ کہف کی مختصر تاریخ:

ترجمہ:۔ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے، جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے کہا: اے پروردگار! ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست فرما دے، تو ہم نے انہیں غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند میں سُلا دیا''۔ (سورۂ کہف:۹۔۱۱)

تاریخی روایتوں سے یہ تفصیل ملتی ہے کہ اصحاب کہف دولتمند اور عیش وعشرت رکھنے والے مختلف خاندانوں کے کچھ نوجوان تھے، قرآن مجید نے ان کی جتنی تفصیل بتلانی تھی اتنی ہی بتلائی، ان کا یہ واقعہ کب، کہاں پیش آیا؟ وہ کتنے تھے، کتنے سال سوتے رہے، وہ غار کہاں ہے، کیسا ہے، ان کی قبریں کہاں ہیں؟ اس کی تفصیل نہیں بتلائی گئی۔

تاریخی روایتوں سے یہ تفصیل ملتی ہے کہ یہ نوجوان مشرک قوم کے افراد تھے، وہ جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں بت پرستی عام تھی، ان کا بادشاہ تو ہم پرست مشرک تھا، اس نے اپنی رعایا کو بتوں کی پوجا کرنے اور ان پر جانور ذبح کر کے چڑھانے کا حکم دے رکھا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ شہر کے باہر لوگ سالانہ میلہ میں یہ رسم ادا کر رہے تھے، ان نوجوانوں کے ضمیر نے ان کو ملامت کیا اور یہ انفرادی طور پر اس میلہ سے آہستہ آہستہ الگ ہو گئے اور لوگوں کی اس بت پرستی اور پوجا پاٹ کو باطل واحمقانہ حرکت تصور کیا اور ایک جگہ آ کر بیٹھ گئے، پھر آپس میں ایک دوسرے کا تعارف لیتے ہوئے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم اپنی اس جہالت اور بت پرستی پر کوئی سند ہی نہیں رکھتی۔

☆ اس زمانہ میں دین مسیحی مٹ جانے کے بعد خال خال ہی یہ لوگ توحید کی بات سنتے تھے، چنانچہ ضمیر کی آواز پر ایک اللہ کی عبادت و پرستش کو صحیح جانا اور بت پرستی سے بیزاری ظاہری کی، اس زمانہ کے دین عیسوی کے پیروؤں کے مطابق ایمان لائے، پھر تمام لوگوں سے ہٹ کر اللہ کی عبادت کے لئے ایک خفیہ جگہ جمع ہو کر عبادت کرنے لگے، ان کے اس عمل کی خبر لوگوں کو ملنے لگی اور ان کے اس طرح الگ عبادت کرنے اور بت پرستی سے دور رہنے کی خبر لوگوں نے مشرک بادشاہ کو پہنچا دی۔

بادشاہ نے ان سب کو بلایا اور ان کے عقیدہ اور عبادت کے بارے میں دریافت کیا، وہ چونکہ اللہ کو اپنا رب مان چکے تھے اور اللہ پر پختہ ایمان رکھنے والے بن چکے تھے، اللہ نے بھی ان کے دل مضبوط کر دئے اور بادشاہ کا خوف و ہیبت ان کے دلوں سے نکال دیا، انہوں نے نڈر اور بے خوف ہو کر بادشاہ کے سامنے بت پرستی کی مخالفت کی اور توحید کو پیش کیا اور بادشاہ کو بھی ایمان کی دعوت دی، بادشاہ نے ان کی باتیں سن کر ان پر غصہ ہوا اور ان کو ڈرایا اور قتل کی دھمکی دی اور کچھ دن سوچنے کا موقع دے کر حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے مذہب پر آجائیں ورنہ قتل کر دئے جائیں گے۔

اس مہلت ملنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو یہ توفیق دی کہ اس علاقہ سے نکل جائیں اور ہجرت کر کے کسی جنگل بیابان کے غار میں چھپ جائیں، چنانچہ کچھ سامان اور پیسہ لے کر انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی محبت اور اللہ پر ایمان کی وجہ سے اپنے عیش و آرام، ماں باپ، رشتہ داروں اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر جنگل کی راہ لی، بے شک جو لوگ اللہ پر ایمان لا کر اللہ پر بھروسہ کر لیتے ہیں اللہ انہیں ایسی ہی مضبوطی عطاء کرتا ہے، ان کے سامنے تکلیف تکلیف نہیں رہتی، ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جو پالتو تھا، وہ ان کی محبت میں ان کے ساتھ ہو گیا، سب کے درمیان اور سب کے ساتھ رہ کر بت پرستی سے بچنا اور اپنے ایمان کی حفاظت اور مشرکین کی نظروں سے بچنا بہت دشوار تھا، اس لئے ان کی نظروں سے چھپ کر اللہ کی عبادت کرنے کے لئے اس کی محبت میں ہجرت کا راستہ اختیار کیا۔

چنانچہ ہجرت پیغمبروں ہی کا طریقہ تھا، جو اپنے ماننے والوں کو ایمان کی حفاظت کے لئے بحکمِ الٰہی ہجرت کی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ شہر سے باہر جنگل میں ایک غار میں چلے گئے، جہاں وہ سکون اور بے خوف ہو کر اللہ کی عبادت کر سکتے تھے، پھر غار میں جانے کے بعد اپنی عافیت اور اللہ کی رحمت مانگتے ہوئے دعاء کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول کر کے ان کی مدد کی اور غار میں تازہ ہوا، روشنی اور خوف سے دوری کا پورا انتظام فرمایا، سورج کی روشنی غار کی دائیں بائیں سے نکل جاتی، کتا غار کے منہ پر بیٹھا دکھائی دیتا، ان کو تین سو سالوں تک زبردست نیند دیدی، پھر نیند میں بھی کروٹ کروٹ دیتا رہا، ان پر حالت نیند میں رعب پیدا کر دیا تا کہ دیکھنے والے ڈر کر بھاگ جائیں، تین سو سال تک غار میں بول و براز، غذاء، پانی سے دور رکھ کر سلا رکھا، ذرا غور کیجئے محض صرف ایمان کو بچانے کی خاطر دولتمند گھرانوں کے ہونے کے باوجود کفر و شرک والی ناپاک اور گندی زندگی کو ٹھوکر ماردی اور دنیا کے مختصر مدت کی عیش و عشرت والے ماحول کو چھوڑ کر آخرت کی کامیابی اور اللہ کی رضاء کو ترجیح دی اور اپنے شاہی محلات کو ٹھکرا دیا، اس کے بدلے جنگل اور غار جیسی تکلیف دہ زندگی کو پسند کیا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم پر تھوڑی سی پریشانی آجائے تو ایمان و اسلام سے دور ہو کر گناہ اختیار کر لیتے ہیں یا دنیا کی چمک دمک نظر آنے پر اسلامی کلچر چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کا کلچر اختیار کر لیتے ہیں، جیسے جیسے دولت، علم، بنگلہ، کوٹھی اور گاڑی مل جائے تو اسلام کو چھوڑ کر ماڈرن بن جاتے ہیں، مسلمان کو ہر لمحہ اپنے ایمان و اسلام کی فکر کرنی چاہئے اور کسی بھی حالت میں ایمان و اسلام سے دور نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر طرح سے قادر ہے، وہ جس کو جیسا چاہے رکھ سکتا اور پال سکتا ہے، اس نے عام طریقے سے ہٹ کر تین سو سال سے زیادہ اصحابِ کہف کو نیند کی حالت میں رکھا اور بغیر کھلائے پلائے، بغیر بول و براز کئے ان کو اتنے لمبے عرصہ بعد بیدار کیا، یہ بھی اللہ کی شانِ قدرت ہے کہ ان ایام میں ان کی عمریں نہ بڑھیں اور نہ صحت خراب

ہوئی، نہ بوڑھے ہوئے بلکہ صحتمند وتندرست رہے، جیسے سوئے تھے ویسے ہی نوجوان اٹھے، بے شک اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے، جب انسان اللہ پر بھروسہ کرلیتا ہے تو اللہ ان کی اسی طرح مدد کرتا ہے۔

پھر وہ جیسے ہی نیند سے بیدار ہوئے اس وقت آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سو گئے تھے، کسی نے کہا شاید ایک دن یا اس سے کچھ زیادہ، دوسرے نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ دوسرے فرد کا جواب بالکل صحیح تھا، جب انسان کو کسی چیز کے بارے میں صحیح علم نہ ہو تو وہ یہی جواب دے۔

پھر آپس میں مشورہ ہوا کہ ہم سے کوئی ایک فرد شہر جا کر حلال کھانا لائے، چونکہ وہ جانتے تھے کہ شہر میں ہر طرف شرک و بت پرستی کا ماحول ہے اور جانور غیر اللہ کے نام پر کاٹے جاتے ہیں، وہی گوشت فروخت ہوتا ہے اور اس زمانہ کی طرح سامان پر پوجا پاٹ کی جاتی تھی، اسی لئے حلال غذا لانے کی تاکید کی، پھر اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم شرک وبت پرستی کے خلاف اور بیزار ہیں، ورنہ وہ لوگ ہم سب کو پکڑ کر پتھر مار مار کر ختم کردیں گے اور ہم سب کو پکڑ کر جبراً اپنے دین پر واپس لوٹا دیں گے۔

اس میں یہ بھی نصیحت مل رہی ہے کہ ایسا علاقہ جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہو اور حلال گوشت اور غذاء ملنے کے مواقع نہ ہوں تو آدمی حلال کی تلاش کرے اور پوجا پاٹ کی غذاؤں سے بچ کر سادہ و حلال غذاء استعمال کرلے، صرف منہ کے مزے کی خاطر جو سامنے آئے یا جو میسر آجائے اور ملے وہ نہ کھالے۔

پھر جس علاقہ میں ایمان پر باقی رہنے کا خطرہ نظر آئے تو وہاں حکمت اور مصلحت سے کام کریں اور اپنے ایمان کو خطرہ میں نہ ڈال لیں، ہر حالت میں ایمان کی حفاظت لازمی ہے، ان کو نیند سے بیدار ہوتے ہی اپنے ایمان کے بچاؤ اور جسم میں حلال غذاء داخل کرنے کی فکر ہوئی، یہ حالت اور فکر ہر حقیقی ایمان والے کے پاس ہونی چاہئے۔

جب ان کا ساتھی سکّے لے کر شہر کی دُکان پر گیا تو دُکاندار اس سکّہ کو دیکھ کر حیران

ہو گیا کہ یہ تو بہت پُرانا سکہ ہے، اس کو کہاں سے ملا؟ وہ سمجھا کہ شاید کوئی خزانہ مل گیا ہوگا، اس نے لوگوں کو جمع کیا، اصحاب کہف کے فرد نے کہا یہ ہمارا سکہ ہے، خزانہ وغیرہ نہیں ملا، پھر سب لوگ اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔

جس وقت اصحاب کہف نیند سے بیدا ہوئے اس وقت اس شہر میں حکومت بدل گئی تھی، مشرکوں کی حکومت ختم ہوگئی اور عیسائی بادشاہ حکومت کر رہا تھا اور رعایا زیادہ تر دین مسیحی پر عمل پیرا تھی، اصحاب کہف اوران کے ساتھیوں کواس کی کوئی خبر نہیں تھی، پھر بادشاہ کے دربار میں ایک تختی تھی جس پر مشرک بادشاہ کے زمانہ میں شہر سے بھاگ جانے والے نوجوانوں کا نام لکھا ہوا تھا، لوگوں نے اس نوجوان کو بادشاہ کے پاس پیش کیا، اصحاب کہف کے اس نوجوان کو معلوم ہوا کہ اب ملک پر مشرک بادشاہ کی حکومت نہیں بلکہ اس زمانہ کے مسلم دین مسیحی لوگوں کی حکومت ہے، نوجوان نے سارا قصہ بادشاہ کو سنایا۔

اسی زمانہ میں اس شہر میں کچھ لوگ عقیدۂ آخرت کا انکار کر رہے تھے اور کہتے کہ مرنے کے بعد ہزاروں سال بعد جبکہ جسم کے سڑگل جانے کے بعد ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ لوگوں میں آپس میں خوب بحثیں ہوا کرتی تھیں، وہ سمجھتے تھے کہ مرنے بعد جسم ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کیسے دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں، بادشاہ عوام میں اس قسم کے مباحث سے پریشان تھا، وہ اللہ سے ہر روز دعاء کر رہا تھا کہ اللہ کوئی ایسے حالات پیدا کردے جس سے گمراہ اور آخرت کا انکار کرنے والوں کو آخرت میں دوبارہ زندہ ہوکر حساب دینے کا یقین پیدا ہو جائے اور آخرت کا مضبوط عقیدہ ہو جائے۔

چنانچہ بادشاہ کی دعاء قبول ہوئی، انہی ایام میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو نیند سے بیدار کیا اور اس نوجوان نے جب بادشاہ کے سامنے پورا قصہ سنایا تو اس واقعہ کی شہرت پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی، بادشاہ اور عوام کی بہت بڑی تعداد اصحاب کہف سے ملنے غار کے پاس آئی، تب اصحاب کہف کے نوجوان نے اندر جاکر پہلے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دینے کی اجازت لی اور اندر جاکر اپنے ساتھویں کو سارا قصہ سنایا، وہ

سب بھی یہ حالات سن کر خوش ہوئے، بادشاہ اور عوام سے باہر آ کر ملے، پھر اپنے سونے کے مقام پر جا کر سو گئے، اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے ان کے غار کے منہ کو ایک تختی لگا کر بند کیا اور وہاں ایک مسجد بنا ڈالی، مسجد بنا کر یہ تعلیم دی کہ یہ لوگ خدا نہیں بلکہ خدا کے عبادت گذار بندے تھے، انہوں نے خدا کی بندگی کے لئے اپنا بچاؤ کیا، چنانچہ جب وہ اللہ کے ہو گئے تو اللہ نے ان کے نام کو قیامت تک کے لئے بلند کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد لوگوں کو عقیدۂ آخرت پر شک اور انکار سب کچھ ختم ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس کے ذریعہ مشرکین مکہ کو بھی عقیدہ آخرت کی تعلیم دی گئی اور زندہ ہو کر حساب دینے کا یقین پیدا کرنے کا احساس دلایا گیا۔

اصحابِ کہف کے واقعہ سے ایمان والوں کو نصیحت:

اصحابِ کہف کے واقعہ میں ایک خاص نکتہ ہمیں یہ ملتا ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں قیامت تک مسلمان دنیا کے کسی خطے اور گوشے میں ہوں اور وہاں وہ غیر مسلموں کے مقابل مختصر ہوں، غیر مسلموں کی اکثریت کے مقابلہ اقلیت ہی میں کیوں نہ ہوں غربت، مفلسی، بے یار و مددگار کیوں نہ ہوں، پوری قوم کے مقابل اصحابِ کہف کی طرح پانچ سات ہی کیوں نہ ہوں تو کبھی بھی اکثریت کی گمراہی سے متاثر ہو کر سچائی اور حق کو نہ چھوڑنا اور اکثریت کی طاقت وقوت کے مقابلہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت اور قدرت پر پورا بھروسہ کرنا، اکثریت کے آگے سر نہ جھکانا اور نہ اکثریت سے مرعوب ہو کر ایمان سے ہاتھ دھونا۔

اگر ان کو اپنی زندگی میں ایمان و اسلام سے ہٹایا جا رہا ہے یا ان کو دنیا کا لالچ دے کر اسلام و ایمان چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے تو وہ اپنی آخرت بنانے اور ایمان کی حفاظت کرنے کے لئے دنیا میں وقتی تکلیف اور ظلم کو برداشت کر لیں، ایمان کو ضائع ہونے سے بچائیں، غیر مسلم زیادہ سے زیادہ ان کے جسموں کو تکلیف دے کر قتل کریں

گے، اللہ کے نام پر قتل وشہید سب نہیں ہوتے، اللہ کے جو پیارے اور محبوب ہوتے ہیں انہیں ہی شہادت کا مرتبہ ملتا ہے، جس طرح اصحابِ کہف نے اپنی پوری قوم کے مقابلہ اپنے ایمان و جان کی حفاظت کی اور وہ اپنی قوم وحکومت کی طاقت و اکثریت سے متاثر نہیں ہوئے اور نہ کسی قسم کا بچاؤ وامن کا معاہدہ کیا، صحابہؓ رسول نے بھی ویسا ہی کیا، مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس ایمان کی کمزوری کی وجہ سے دنیا کی دولت، دنیا کے عیش اور دنیا کے لذتوں کی خاطر ایمان واسلام سے دور ہوکر آخرت برباد کر لیتے ہیں یا پھر شرکیہ ماحول کے اثرات قبول کر کے شرکیہ عقائد اور شرکیہ اعمال میں گرفتار ہوجاتے ہیں، یا جان و مال کی حفاظت کی خاطر اسلام سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

اللہ جس کی حفاظت کرنا چاہے کوئی اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتا:

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب انسان اللہ کا ہوجاتا ہے اور اللہ سے دلی تعلق کے ساتھ مدد مانگتا ہے اور جس انسان کی حفاظت اللہ کرنا چاہتا ہے تو دنیا اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہے، اس لئے اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے ایمان کی پوری حفاظت کرتے رہو اور ہر حالت میں اللہ کو پکاریئے اور اسی سے مدد طلب کیجئے۔

اصحابِ کہف کے واقعہ میں دوبارہ زندگی کی خاص تعلیم:

اصحاب کہف کے واقعہ سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو بھی سمجھا رہا ہے اور مشرکینِ مکہ اور قیامت تک دنیا میں آنے والے تمام وہ انسان جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں یا شک کرتے ہیں یا یقین نہیں رکھتے انہیں یہ بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کو بھی دوبارہ زندہ کرنا مشکل کام نہیں، وہ تو **اَلْـمُـعِيْـدُ** ہے، دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جب وہ لاکھوں مخلوقات کو ہر روز رات میں نیند کے ذریعہ موت دے کر پھر دوبارہ ہر روز صبح زندہ کرتا ہے، اسی طرح اس نے اصحاب کہف کو تین سو سال نیند کے ذریعہ چھوٹی موت دے کر ان کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھا اور پھر بیدار کیا، انسان کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اٹھارہ بیس گھنٹے سوتا ہے، حالانکہ جوان آدمی سات آٹھ گھنٹوں سے زیادہ نہیں

سوتا، خود بخود بیدار ہو جاتا ہے، اس کی نیند خود بخود غائب ہو جاتی ہے، مشرکینِ مکہ کو دوبارہ زندہ ہونے پر یقین نہیں آتا تھا، وہ اس بات کو صرف ڈرانے یا خوف دلانے کی بات سمجھتے تھے، سچ نہیں جانتے تھے، ان کو بھی اس واقعہ کے ذریعہ دوبارہ زندہ ہونے کو سمجھایا گیا۔

اللہ والوں کی صحبت سے معمولی انسان بھی اونچا مقام پا سکتا ہے:

اس واقعہ میں ایک عبرت یہ بھی ملتی ہے کہ کتا وہ جانور ہے جسے ہر کوئی ناپسند کرتا، ہر کوئی دھتکارتا ہے، اس سے دور رہنا چاہتا ہے، مگر اس نے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ محبت کر لی اور ان کی صحبت میں رہا تو اللہ نے اپنے پاک کلام میں اس کا تذکرہ کر کے اصحاب کہف کا ساتھی بنا دیا، اس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہم بھی اپنے آپ کو اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جوڑے رکھیں اور ان سے محبت کریں، ان کی خدمت کریں تو اللہ ہمیں بھی نیک بنا دے گا اور اپنے محبوب بندوں میں شمار کر کے قبول فرمائے گا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کتے کا ذکر کئے بغیر بھی اصحاب کہف کا واقعہ بیان کر سکتا تھا، اس لئے کہ اس نے ان کی ساری تفصیل بیان نہیں کی، مختصر انداز میں اس واقعہ کے اہم پہلو بیان کئے، کتے کا ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ کو بھی عبرت دلائی گئی کہ ایک وہ جانور جو سب لوگوں کو دیکھ کر بھونکتا ہے وہ بھی اللہ والوں کو پہچان گیا اور ان کے ساتھ ہو کر ان کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ حفاظت میں بیٹھ گیا اور تم انسان ہو کر عمدہ عقل رکھ کر کتے سے بھی گئے گذرے کام اور حرکتیں کر رہے ہو، اللہ کے نیک بندوں اور اللہ کے پیغمبر کو تکلیف دے رہے ہو، اگر تم بھی ان کی صحبت اختیار کر لو تو محبوب بن جاؤ گے ورنہ کتے سے بھی بدتر تمہارا حال ہوگا۔

اصحابِ کہف حق قبول کر لینے کے بعد خاموش نہیں رہے:

اصحاب کہف کے حالات جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان قبول کر لینے کے بعد خاموش نہیں رہے ہوں گے اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو بتوں کی عبادت کے بجائے زمین و آسمان کے بنانے والے اور مخلوقات کی پرورش کرنے والے خدا کی

عبادت کی دعوت دی ہوگی اور بت پرستی کو گمراہی قرار دیا ہوگا، ایمان کی دعوت پیش کی ہوگی، جس طرح انہوں نے اپنی حکومت اور بادشاہ سے نڈر اور بے خوف ہوکر دعوت پیش کی اسی طرح اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں میں سمجھایا ہوگا، ان کی گھروں میں توحید کی دعوت اور بت پرستی کی مخالفت ہی کی وجہ سے بادشاہ کی پاس شکایت کی گئی، بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب آپ ؐ کے صحابہ کرام ؓ نے ایمان قبول کیا اور بت پرستی کو باطل اور گمراہی سمجھا تو وہ خاموش نہیں بیٹھے؛ بلکہ اپنے اپنے والدین، بھائی بہنوں، اولاد، خاندان اور قبیلوں میں توحید سمجھانا شروع کیا اور بت پرستی کو احمقانہ اور بیوقوفی کا عمل بتلایا، جس کی وجہ سے گھر گھر لوگوں میں اختلافات پیدا ہوگئے، مار پیٹ شروع ہوگئی، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم توحید کا دعویٰ کر کے کلمہ، نماز پڑھ کر شرکیہ عقائد واعمال میں اپنے باپ دادا کا ساتھ دیتے ہیں اور مسلمان ہوکر قرآن وحدیث کے خلاف نئے نئے طریقہ ایجاد کرتے ہیں۔

اصحابِ کہف کی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے پر ان تینوں سوالات کے جوابات الٹا مشرکین مکہ پر چسپاں کردیا اور بتلایا کہ جس طرح اصحابِ کہف کی قوم اور حکومت اپنی طاقت و اقتدار میں اندھی ہوکر عقل کا استعمال کرنے پر تیار نہیں ہوئی اور اصحاب کہف کی دعوت کو سمجھنے کے لئے عقل کا استعمال نہیں کیا، الٹا سچائی اور حق کو ماننے کے بجائے سچائی، حق اور سیدھا راستہ بتلانے والوں ہی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جو ان کے قریب کے لوگ تھے، اسی طرح مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچائی اور کامیابی کا راستہ بتلا رہے ہیں تو یہ لوگ ان کی اور صحابہ ؓ کی بات ماننے کے بجائے الٹا انہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں؛ جبکہ یہ سب ان کے قریبی رشتہ دار ہیں، اصحاب کہف کی مثال کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے تشبیہ دے کر مکہ کی پوری صورتحال کو مشرکین مکہ پر چسپاں کردیا اور بتلایا کہ جس طرح اصحاب کہف اپنی قوم کے مقابلہ میں بہت مختصر بلکہ نہیں کے برابر تھے اسی طرح مشرکین مکہ کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ مختصر ہیں، جس طرح ان کی قوم نے

اصحابِ کہف کے لئے زمین تنگ کردی اسی طرح مشرکین مکہ بھی وہی کررہے ہیں اور قتل و ظلم کا راستہ اختیار کررہے ہیں اور یہ بھی بتلایا کہ ان کی حکومت اور طاقت واقتدار کے باوجود وہ اصحاب کہف کو قتل نہ کرسکے بالکل اسی طرح تم بھی ناکام رہوگے، اللہ جس کی حفاظت کرنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو نقصان نہیں پہنچاسکتی، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو اصحاب کہف کی روش اختیار کرنے اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ انسانی تاریخ بھی یہ بتلاتی ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ واحد کو ایک ماننے اور صرف اسی کی عبادت کی دعوت دینے پر مشرک انسانوں کو برداشت نہ ہوا، انہوں نے ایمان والوں پر ظلم وزیادتی کی، یہی روش قیامت تک مشرکین کی ایمان والوں کے ساتھ چلتی رہے گی، اس لئے کہ ان کی سرپرستی شیطان کررہا ہے، وہ مشرک انسانوں کو ایمان والوں کے خلاف ظلم کرنے اور ستانے وقتل کرنے پر اکساتا اور استعمال کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ ایمان واسلام سے ہٹ جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کچھ تھی اور سوالات دوسرے کئے گئے:

عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو دعوت دے رہے تھے وہ توحید، رسالت اور آخرت کی باتیں تھیں، آپ ؐ انسانوں کو بتوں کی عبادت اور پرستش چھوڑ کر خالص اللہ واحد کی عبادت وبندگی کی دعوت دے رہے تھے اور مرنے کے بعد آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر حساب دینے کے بارے میں ڈرارہے تھے، چنانچہ جس کو بھی یہ باتیں سمجھ میں نہ آئیں انہیں انہی مضامین کے تحت سوالات کرنے چاہئے تھا کہ ہم کیسے سمجھیں اللہ ایک اور اکیلا ہے؟ یا پھر دوبارہ زندہ کیسے کیا جاتا ہے؟ یا رسالت کی سچائی کیا ہے؟ غرض وہ سوالات جس سے علم وفہم حاصل ہو، بیکار سوالات کرکے صرف مذاق اڑانا مقصود تھا، غیر متعلقہ سوالات کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس دعوت میں نہ کبھی پچھلی قوموں کی تاریخ کی داستانیں بیان کیں اور نہ آپ ؐ نے تاریخ کے ماہر ہونے کا دعویٰ کیا، آپ ؐ کی دعوت اور اس کا عنوان کچھ تھا اور سوالات کا انداز کچھ دوسرا ہی تھا، جیسے کسی ڈاکٹر سے پوچھا جائے کہ بلڈنگ بنانے

کے لئے سمنٹ، لوہا، کنکریٹ وغیرہ کتنا استعمال کرنا چاہئے؟

اسی طرح آپؐ نے ایک پہلوان رُکانہ نامی شخص کو دعوتِ ایمان دی، کُشتی لڑنا اور مقابلہ کرنا پڑا، اس نے شکست دینے کی شرط پر ایمان قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، حالانکہ آپؐ نے کبھی پہلوان ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

اسی طرح ابوجہل نے ہاتھ کی مٹھی میں کنکریاں لے کر مٹھی بند کرلی اور کہا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو چیز ہے وہی میری رسالت کی گواہی دیں گی، کنکریوں میں سے کلمہ پڑھنے آواز آنے لگی، حالانکہ آپؐ نے کبھی غیبی چیزوں کو جاننے اور بتانے کا دعویٰ نہیں کیا، یہ تینوں سوالات ایسے ہی تھے جو نہ خود رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھے اور نہ اس کا علم مشرکینِ مکہ کو تھا، مگر نبوت کی سچائی کو جانچنے کے لئے یہ عجیب طریقہ اختیار کیا گیا۔

ایمان والوں کو بیکار باتیں پوچھنے سے پرہیز کرنا چاہئے:

اصحاب کہف کی زندگی کے بعد عوام میں یہ تذکرے خوب ہونے لگے کہ اصحاب کہف کتنے تھے؟ کوئی کہتا: ۳ تھے چوتھا کتا تھا، کوئی کہتا: ۵ تھے چھٹواں کتا تھا، کوئی کہتا: ۷ تھے آٹھواں کتا تھا، پھر یہ بھی بحث شروع ہوئی کہ وہ کتنے دن سوئے رہے؟ یہی سوالات رسول اللہ ﷺ سے بھی اہل کتاب نے کئے، اللہ تعالیٰ یہ تاکید کررہا ہے کہ ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے اور وہ کتنے دن غار میں سوئے وہ بھی اللہ کو معلوم ہے، اس طرح کے سوالات سے وقت خراب کرنے کے بجائے اصحاب کہف کے واقعہ کی اصل روح پر غور کرکے عبرت و نصیحت حاصل کرنا عقلمندی ہے، ان کی تعداد اور نیند سے انسانی زندگی کی اصلاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ سب بیکار سوالات ہیں، دوسری بات اس میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ آپ بغیر انشاء اللہ کہے وحی کے بھروسہ پر وعدہ کر بیٹھے، آپ کو کیا معلوم کہ اللہ ان سوالات کے جوابات بتانا مناسب سمجھتا ہے یا نہیں، اس لئے کہ کفار و مشرکین کے بیکار سوالات کا جواب دینا کوئی ضروری نہیں، اس لئے ہر وعدے پر یہ کہئے کہ ''انشاء اللہ۔ اگر اللہ نے چاہا'' تو میں جواب دوں گا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم دی گئی کہ اگر تم مشرکین مکہ کے مقابلہ اصحاب کہف کی طرح ایمان پر استقامت اختیار کروگے اور ان کی طرح پائیداری کے ساتھ جمے رہوگے اور مکمل بھروسہ واعتماد اللہ پر کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مدد ویسے ہی کرے گا جیسے اصحاب کہف کی اللہ نے مدد کی کہ غار جہاں اندھیرا ہی اندھیرا رہتا ہے، پتھریلی ناہموار زمین ہوتی ہے، تازہ ہوا اور روشنی نہیں آسکتی، پھر بھی بغیر غذاء اور پانی کے جسم کے اعضاء کی پرورش مسلسل کیا، اسی طرح وہ غیب سے ہر ایمان والے کی مدد کرے گا، اگر وہ دنیا میں ضائع بھی ہوجائیں گے تو آخرت میں بلند مرتبہ اور درجات پر ہوں گے۔

دنیا کی زندگی مختصر، وقتی وعارضی ہے، یہاں کی چمک دمک سب ختم ہونے والی ہے، باقی رہنے والے باقیات صرف انسان کے نیک اعمال ہیں، اس لئے وہ اختیار کرنے کی محنت دنیا میں کریں، اصحاب کہف کے واقعہ میں تین باتیں نمایاں ہیں، ایک اللہ کی قدرت کا اظہار...... دوسری ایمان کی حفاظت...... تیسری عقیدۂ آخرت کا یقین۔

سورۂ کہف کے واقعہ سے بعض گمراہ صوفیاء گوشہ نشینی اور ترک دنیا کی مثال بتلاتے ہیں، یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسلام نے رہبانیت کی ہرگز اجازت نہیں دی، اصحاب کہف مجبوری کی حالت میں اپنے ایمان کو بچانے کے لئے معاشرہ سے الگ ہوئے تھے، جس طرح رسول اللہ ﷺ تین دن ہجرت کے وقت غار ثور میں چھپے رہے۔

اصحابِ کہف کے واقعہ سے ملنے والے سبق:

☆ اصحابِ کہف جب سچے دل سے اللہ پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا اور ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا اور ان کو حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمادی، جس کی وجہ سے وہ دنیا کو بے حیثیت سمجھے اور سچائی پر جمے رہے، باطل کے آگے سر جھکانے کے لئے بالکل تیار نہ ہوئے، اپنے آپ کو بے یار و مددگار محسوس کرتے ہوئے بھی بڑی دلیری کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے کا اظہار کیا اور باطل کی نفی کی۔

☆ عام طور پر جب دنیا میں کوئی بھی واقعہ ہوتا ہے تو بیوقوف لوگ اس واقعہ کے غیر

ضروری پہلوؤں پر غور کرتے، تذکرے کرتے اور بحث کرتے ہیں، حقیقت میں اس واقعہ کی اصل بات پر غور وفکر کرکے عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتے، اس واقعہ میں بھی لوگ اصحابِ کہف کی تعداد اوران کے غار میں رہنے کی مدت، پھران کے زندہ یا مردہ رہنے یا غار پر یادگار بنانے وغیرہ کے بارے میں بحث وتکرار کرتے رہے، حالانکہ ان کے واقعہ سے کیا سبق حاصل کرنا ہےاس پر کسی کی نظر نہیں گئی۔

☆ اس واقعہ میں ایمان والوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ مؤمن اسباب دنیا پر اعتماد اور نظر نہیں رکھتا، اسباب پر سے نگاہ ہٹا کر اللہ پر نگاہ رکھتا ہے، اس لئے کہ نفع ونقصان، شر وخیر وغیرہ اللہ کی مرضی ومشیت کے بغیر نہیں ہوتا، اصحاب کہف بے سروسامانی اور مال ودولت سے خالی تھے مگر وہ نہ حکومت سے خوف کھائے اور نہ ان کی طاقت کے سامنے مجبوری سمجھ کر سر جھکائے، اہل حق کو مخالفانہ ماحول میں اگر اسباب نظر نہ بھی آئیں تو بھی وہ ہمت نہیں ہارتے، اور نہ ہاتھ جوڑ کر اپنے جان کی بھیک مانگتے ہیں، وہ اللہ کے نام پر شہید ہونے تیار رہتے ہیں۔

☆ اس واقعہ میں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اللہ نے جو فطری قانون بنایا ہے ایمان سے خالی انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس سے ہٹ کر وہ کچھ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ دنیا میں قانون فطرت ضرور بنایا مگر وہ اس کا محتاج نہیں، وہ اپنے اس قانون کو جب چاہے جہاں چاہے تبدیل کرسکتا ہے، اس نے حضرت موسیٰؑ کے لئے سمندر پر راستہ بنادیا، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلنے نہیں دیا، حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رکھا، حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، اسی طرح اس نے اصحاب کہف کو برسہا برس نیند دے کر سلادیا، نیند دے کر بغیر کسی تبدیلی کے اٹھایا، اس کے لئے بوڑھاپے کو روکنا، بھوک پیاس کو روکنا، اعضاء کی پرورش کو روکنا، بول وبراز کی حاجتوں کو روکنا، کوئی مشکل کام نہیں، وہ ہر چیز پر ہر طرح سے قادر ہے، اس نے اصحابِ کہف کو اٹھایا اور مختصر نیند کا احساس دلایا اوران کی عمر، شکل وصورت، لباس، بال اور تندرستی کو بالکل متاثر ہونے نہیں دیا۔

☆ اسی واقعہ سے سب سے بڑا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح وہ ان کو زندہ رکھتے

ہوئے سالہا سال نیند دے کر پھر دوبارہ زندہ کیا اسی طرح تمام انسانوں کو وہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا، اس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

☆ اہل ایمان کو یہ بھی سبق دیا گیا کہ اگر کسی علاقہ اور ملک میں زندگی گذرانے میں ان کے لئے زمین تنگ کردی گئی تو وہ اپنے ایمان کا سودا نہ کریں اور ایمان کی حفاظت کے لئے نقل مقام کر کے ایمان والوں کے اکثریتی علاقوں میں رہیں۔

☆ جاہل لوگ اصحاب کہف کے واقعہ کی طرح اگر دنیا میں کوئی بھی کام فطرت سے ہٹ کر دیکھتے ہیں تو اس کو خدائی درجہ دے کر اس کی پرستش شروع کردیتے ہیں، وہاں دعائیں، منتیں، مرادیں اور سجدے وغیرہ کرتے ہیں، اصحاب کہف کے واقعہ پر لوگوں نے اسی طرح متاثر ہو کر وہاں آستانہ اور گنبد بنانا چاہا، ایک ایمان والے کو اگر غیر فطری کام یا اعمال یا چیزیں نظر آئیں تو وہ حق پر نظر رکھتا ہے، چنانچہ دنیا نے بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہونے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنادیا، ان کے معجزات کو خدائی قدرت سمجھا، ولیوں اور بزرگوں کی کرامتوں کو خدائی حصہ سمجھا۔

☆ ایمان والوں کو یہ بھی تعلیم دی گئی کہ کسی بھی واقعہ میں نظر اصل روح پر ہونی چاہئے اور اس میں اپنے لئے ہدایت و رہنمائی تلاش کرنی چاہئے، غیر ضروری سوالات نہ کرنا چاہئے، جس چیز کی دعوت یا تعلیم دی جارہی ہے اسی پر سوالات کرنا چاہئے، موضوع سے ہٹ کر یا بیکار سوالات کر کے وقت برباد نہ کرنا چاہئے اور بیکار سوالات اور بے موضوع سوالات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

☆ اس میں ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ کسی سے اللہ کے منشاء اور بھروسہ کے بغیر وعدہ نہ کیا جائے اور نا معلوم باتوں اور آئندہ ہونے والے اعمال پر قطعی دعوے کے ساتھ کوئی وعدہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ کیا معلوم وعدہ کرنے والا زندہ رہے یا نہ رہے، وہ کام کرسکے گا یا نہیں کرسکے گا، غیب کے حالات کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں معلوم، ضروری نہیں کہ اللہ اپنی حکمت سے انسانوں کے ہر سوال کا جواب یا حل بتلائے گا یا نہیں۔

☆ اس واقعہ میں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ اصحاب کہف کو سب سے زیادہ جس چیز کی فکر تھی وہ ایمان تھا، چنانچہ انہوں نے نیند سے بیدار ہوتے ہی احتیاط اختیار کرنے اور اپنے ایمان کو بچانے کی باتیں کرتے رہے، انہوں نے یہ خوف محسوس کیا کہ اگر کوئی ہمیں پہچان لے تو پھر ہم مصیبت میں مبتلا ہوجائیں گیا ور پھر کبھی فلاح نہ پاسکیں گے، ہماری قوم ہم کو پھر اپنی ملت کی طرف لوٹنے کے لئے مجبور کرے گی یا سنگسار کردے گی۔

اسی طرح ہر ایمان والے کو سب سے زیادہ ایمان کی حفاظت کی فکر ہونی چاہئے، ہر عمل اور ہر کام میں ایمان کو سامنے رکھ کر اعمال اختیار کرنا چاہئے، جیسے اصحاب کہف نے کھانا لانے کے لئے بھیجنے والے فرد کو احتیاط اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

☆ اس واقعہ میں یہ بھی تعلیم ہے کہ قیامت تک دنیا میں مومن زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گے، کہیں وہ اکثریت میں ہوں گے اور کہیں اقلیت میں، جن علاقوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو وہاں اگر وہ ظلم وزیادتی کریں تو اسلام پر جمے رہنا اور ایمان کی حفاظت کرنا، غیر مسلموں کی اکثریت دیکھ کر نا امید نہ ہوجانا اور نہ گھبرانا، اقلیت میں رہتے ہوئے اسلام کو عملی طور پر غیر مسلموں کے سامنے پیش کرتے رہنا، داعی بن کر رہنا، ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات کو اللہ کے لئے برداشت کرتے رہنا، غیر مسلم صرف دنیا کی حد تک ہی ظلم کرسکتے ہیں۔

''شادی کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟!''

اپنی اولاد کو شادی سے پہلے شادی کے بعد والی زندگی کا شعور دینا چاہتے ہوں اوران کو صبر وسکون والی اسلامی حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گذارنے کے طریقے سکھانا چاہتے ہوں اور لڑکیوں کو مایوسی، ناکامی اور مصیبت سے بچانا چاہتے ہوں اور بڑی عمر کی عورتوں میں خدمت، اطاعت ومحبت کا جذبہ بڑھانے کے لئے اس کتاب کو ضرور پڑھائیے، بہت ساری باتیں شرم وحیاء کی وجہ سے ماں باپ بچیوں کو نہیں بتاسکتے۔

خوشحالی آجانے کے بعد مؤمن اور کافر کی ذہنیت

ترجمہ:۔ ''اے محمدؐ! ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو، دو شخص تھے''۔ (کہف:۳۲)

نعمت کو اللہ کا فضل وعطیہ سمجھ کر شکر گذار بنے رہیں، غرور وتکبر نہ کریں:

ایمان کے اقرار وانکار سے مؤمن وکافر کی ذہنیت الگ الگ بنتی ہے، ہر زمانہ میں غیر مسلم کو جب اولاد، دولت، جائیداد اور دوسری نعمتیں ملتی ہیں تو وہ نعمتوں کو اللہ کا عطیہ اور دَین نہیں سمجھتے بلکہ غرور وتکبر کا شکار ہو کر اس کو اپنی ذاتی محنت کی کمائی اور اپنی قابلیت و اہلیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، نعمتوں سے اللہ کی شکر گذاری نہیں کرتے اور اللہ کی پہچان صحیح نہ ہونے کی وجہ سے جسم اور جسمانی اعضاء کو نعمتوں کے ذریعہ اللہ کی بغاوت میں استعمال کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو برائے نام اپنا مالک مانتے ہیں مگر اللہ کو مطلق رب، حاکم وقادر اور ہر قسم کی قدرت رکھنے والا نہیں سمجھتے اور نہ ان کو مرنے کے بعد اللہ کے پاس جواب دینے کا احساس مضبوط ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ اللہ کی نعمتیں ملنے کے بعد غرور وتکبر میں حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور دنیوی عیش پر مطمئن رہتے ہیں۔

☆ ان کے برعکس ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ جو بھی نعمت دیتا ہے چاہے وہ غیر مسلموں سے کم ہو، چاہے وہ غیر مسلموں کے مقابل غریب ہی کیوں نہ ہوں، معمولی غذاء، معمولی کپڑا، بے سروسامانی اور غریبی کے باوجود اللہ کے شکر گذار بندے بنے رہتے ہیں، چاہے ان کے پاس دولت نہ بھی ہو مگر ان کا سینہ ایمان کی دولت میں مالا مال ہوتا ہے، وہ معمولی زندگی گذارتے ہوئے اللہ کے شکر گذار بنے رہتے ہیں۔

☆ عام طور پر غیر مسلموں کو ان کی خوشحالی، ان کی دنیا کی چمک دمک اور اولاد، روپیہ پیسہ اور عیش ومستی پر شیطان ان کو احساس دلاتا اور غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے کہ تمہارا مالک تم سے خوش ہے اور تم ہی اللہ کے دوست ہو، اللہ اپنے دوستوں کو یہ سب خوشحالی عطا کرتا ہے، جو لوگ غریب ومفلس ہیں ان سے اللہ راضی نہیں، اسی لئے ان کو دنیا میں مصیبت وذلت

اور پریشانیوں میں رکھتا ہے، اس غلط فہمی کے ذریعہ شیطان ان کو حق سمجھنے اور حق قبول کرنے نہیں دیتا، ایمان والوں کی حالت دیکھا کر حق سے دور رکھتا ہے۔

اپنے اس غرور وتکبر اور مطمئن حالت کی وجہ سے وہ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ دنیا میں اللہ نے عروج وزوال بھی رکھا ہے، اسی کے حکم سے بہاریں آتیں اور ختم ہوکر تکالیف و مصیبتیں بھی آتی ہیں، جو کچھ ان کو دیا گیا وہ سب چھین بھی لیا جاسکتا ہے، دنیا کی نعمتیں لازوال نہیں صرف چندروزہ ہیں، حدیث میں ہے کہ دنیا مؤمن کے لئے جیل خانہ اور کافروں کے لئے جنت ہے۔ (مسلم)

☆ مکی زندگی میں مشرکین مکہ جو صحابہ کے مقابلہ میں طاقتور، اقتدار والے، دولتمند، اولاد اور جائیداد والے، باندی، غلام، نوکر اور خادم رکھتے تھے، تجارت خوب پھیلی ہوئی تھی، اکسپورٹ امپورٹ کرتے تھے، جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھ کر بات سمجھنے کی دعوت دی گئی تو کہتے کہ ہم ان غریب مفلس اور نادار لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے اور مسلمانوں کو کہتے کہ اللہ کے ہم محبوب بندے ہیں اس لئے اس نے اپنے دوستوں کو یہ سب کچھ دیا ہے، تم سے راضی اور خوش نہیں، تم محبوب نہیں ہو؛ اس لئے تم مفلس اور محتاج ہو، ہمارے تکلیف دینے پر وہ تمہاری مدد بھی نہیں کر رہا ہے، اگر مرنے کے بعد قیامت قائم بھی ہوگی تو جس طرح ہم دنیا میں تم سے اچھے ہیں قیامت کے دن بھی اس حالت سے اچھے رہیں گے، جب اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ مسلمانوں کو ان کی مجبوری محتاجی اور غربت کا طعنہ دے کر اپنی خوشحالی سمجھاتے کہ تم اچھے ہو یا ہم اچھے ہیں؟ آج بھی غیر مسلم اپنی طاقت وترقی پر مطمئن ہیں اور حق کو جھٹلاتے ہیں۔

☆ سورۂ کہف میں اللہ نے دو انسانوں کی مثال پیش کرکے مومن اور کافر کی ذہنیت کو پیش کیا اور بتلایا کہ یہ مکہ کے مشرک اللہ کی نعمتیں ملنے کو اپنی ذاتی محنت، ذاتی کوشش اور اہلیت سمجھ رہے ہیں، اللہ کا فضل واحسان نہیں سمجھ رہے ہیں، غرور وتکبر اختیار کرکے کفر بک رہے ہیں، ان کو دو انسانوں کی مثال دو، ان میں سے ایک دولتمند تھا، دوسرا غریب، تاکہ

ان دونوں کی ذہنیت سے یہ اپنا محاسبہ کریں اور ان کو حق و باطل سمجھ میں آجائے۔

☆ اللہ نے دولتمند انسان کو دو باغ دئے تھے، وہ خدا کو برائے نام مانتا تھا، دوسرا شخص غریب تھا مگر اس کا سینہ ایمان سے مالا مال تھا، وہ اللہ کو اس کی پوری قدرت کے ساتھ مانتا تھا، دولتمند کے دونوں باغ انگور کی بیل سے لدے ہوئے تھے، ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑھ لگی ہوئی تھی، اور ان کے درمیان میں وہ زمین کے مختلف خطّے بنا کر موسموں کے لحاظ سے کھیتی بھی کرتا تھا، ان باغوں کے درمیان ایک نہر بھی اللہ نے جاری کردی تھی، جس کی نالیوں سے دونوں باغ کی زمین کو خوب پانی ملتا تھا، باغ والا اپنے ان دونوں باغوں سے خوب پیداوار پھل پھلاری حاصل کرتا تھا اور نفع اٹھاتا تھا، اس قسم کے باغ عرب میں بہت بڑی نعمت سمجھے جاتے تھے، اس طرح وہ دولتمند سونا چاندی، اولا د والا اور خوشحال انسان تھا۔

ایک دن وہ اپنے غریب ہمسائے سے ملا، ایمان کے برائے نام ہونے اور اللہ کی صحیح پہچان نہ رکھنے کی وجہ سے غرور و تکبر اور دولت کے نشہ میں کفر بکنے لگا اور ناشکری کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے مال اور اولاد میں بہت اچھا ہوں، پھر اپنے باغ کو پھلوں سے لدا ہوا دیکھ کر بڑائی اور غرور میں کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوں گے، مجھے توقع نہیں کہ قیامت کبھی آئے گی، فرض کرو اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گا، اس نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ بتاؤ تمہارا حال اچھا ہے یا میرا؟ میرے پاس تو مال بھی بہت ہے اور اولاد بھی تم سے زیادہ ہے، تم مجھے آخرت سے کیا ڈراتے ہو، مجھے جو کچھ حاصل ہے وہ اللہ نے مجھے محبوب رکھ کر ہی دیا ہے اور وہاں اس سے بہتر دے گا۔

☆ اس کے ہمسائے نے اُسے اللہ کا شکر گذار بندہ بننے کی تلقین کی اور ناشکری کے انجام اور اللہ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور کہا کہ تم کیسے قیامت کا انکار کرسکتے ہو؟ جبکہ اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے بنایا، پھر پانی کی بوند سے آدمؑ کی اولاد کا سلسلہ جاری کیا، اسی پانی کی بوند سے تم کو ایک تندرست انسان بنا کر کھڑا کیا، پھر وہ کیوں تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کرے گا؟ اس نے اس دولتمند کافر انسان سے کہا کہ اگر تم کو اللہ نے مال و دولت زیادہ دیا ہے تو

یہ اکڑنے، اترانے اور غرور وتکبر کرنے کی چیز نہیں، اس پر تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اپنی زبان سے ناشکری کے الفاظ کہنے کے بجائے اللہ کی شکر گذاری کے الفاظ کہتے ہوئے تمہیں اپنے باغ میں داخل ہونا چاہئے تھا اور تمہیں تو اپنے باغ کے سرسبز وشاداب ہونے کو دیکھ کر **مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** کہنا چاہئے تھا کہ یہ سب اللہ نے چاہا جو مجھے عطا کیا اللہ کے علاوہ کسی میں دینے اور چھیننے کی طاقت نہیں۔

☆ اگر تم مجھے اپنے سے غریب اور بے یار ومددگار سمجھ رہے ہو تو کوئی عجب نہیں اللہ مجھے تم سے بہتر باغ اور مال واولاد عطا فرمادے یا دنیا میں نہ دے تو مرنے کے بعد آخرت میں دیدے، وہ چاہے تو تمہارے باغ پر کوئی آفت بھیج دے اور تمہارے دونوں باغ اجاڑ دے، وہ چاہے تو پانی کو زمین میں کھینچ لے، تب تو نہر سوکھ کر تم کو پانی بھی نہ ملے، اس نے کہا کہ عروج وزوال سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہی خوشحالی بھی دیتا ہے اور غربت بھی دیتا ہے، تمہاری یہ خوشحالی لازوال اور ہمیشہ رہنے والی نہیں، جس نے تم کو یہ سب کچھ دیا ہے وہ ان تمام چیزوں سے تم کو محروم بھی کرسکتا ہے، یہ دنیا کی چمک دمک چندروزہ ہے۔

آخر کار ایک دن دونوں باغ تباہ ہوگئے، انگور کی بیلیں اور کھجور کے درخت آگ میں جل کر مردہ لاشوں کی طرح زمین پر پڑے رہ گئے، اس وقت اس نے حسرت اور پچھتاتے ہوئے اپنے غریب ہمسائے کی بات کو یاد کیا کہ کاش میں اللہ کے ساتھ ناشکری نہ کیا ہوتا اس کے اس حال پر اس کی کوئی مدد کرنے والا بھی دوسرا نہ تھا۔

ہمسائے مؤمن نے اُسے سمجھایا تھا کہ اگر تم قیامت کا انکار کر رہے ہو تو یہ کفر ہے، اور اللہ کو برائے نام مانتے ہوئے اس کی پوری قدرت کو نہ ماننا، اپنے مال ودولت کو اپنی قابلیت اور محنت کا ثمرہ سمجھنا اور کوئی چھیننے والا نہ سمجھنا یہ بھی شرک ہے، گویا اپنے آپ کو اللہ کے مقابل کھڑا کرنا ہے۔

☆ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ دنیا میں اگر کوئی خوشحال ہے تو وہ اللہ کی رضاء کی علامت نہیں، اسی طرح اگر کوئی غریب پریشان ہے تو وہ اللہ کی ناراضگی کی علامت نہیں، یہ سب

امتحان و آزمائش اور دنیا کے کاروبار چلانے کے لئے دیا جاتا ہے، انسان ہر حالت میں اللہ کی عبدیت و بندگی کرے اور اللہ کا شکر گذار بنا رہے۔

☆ شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا: مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی اللہ اس چیز کی حفاظت فرمائے گا) اور بعض روایات میں ہے کہ جس نے کسی محبوب و پسندیدہ چیز کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس کو نظر بد نہ لگے گی۔ (معارف القرآن)

☆ ناشکری کا ایک انداز یہ ہے کہ دنیا میں عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ جب انسانوں کی صحیح تربیت نہیں ہوتی غیر مسلم تو دور کی بات ہے خود مسلمان جو پہلے غریب، نادار اور مفلس ہوتے ہیں، دن رات متقی پرہیزگار بنے رہتے ہیں، عورتوں کو سخت پردہ میں رکھتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت سے نوازتا ہے، عہدہ و کرسی سے نوازتا ہے تو نعمتیں ملنے کے بعد تقویٰ، پرہیزگاری چھوڑ کر ماڈرن بن جاتے ہیں اور بے پردہ، نیم برہنہ، بے حیاء فیشن میں عورتوں کو مبتلا کر کے اسلام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ نعمتیں ملنے کے بعد اسلام پر چلنا، غربت، غیر مہذب پن ہے اور ادنیٰ و گھٹیا قسم کی تہذیب ہے، ان کا چال چلن، خیالات اور فکر میں تکبر و بڑائی اور گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے، وہ اسلامی کلچر کو ادنیٰ اور یہود و نصاریٰ کے کلچر کو اعلیٰ سمجھتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کی اللہ کے ساتھ ناشکری اور آخرت کی فکر سے دوری کا انداز ہے، اللہ کے باغیوں کی روش ہے، اس دولت مند کافر انسان کے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے بھی عبرت و نصیحت ہے۔

☆ ناشکری اور تکبر کا دوسرا انداز یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی دولتمند اور سردار قسم کے لوگ غریب و نادار لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے بھی نفرت کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ مفلس اور غلام لوگوں کے ساتھ محفل میں بیٹھنا ہماری توہین اور بے عزتی ہے، اس لئے وہ دولت مند لوگوں کی علاحدہ مجلس منعقد

کرنے کی شرط رکھتے تھے، یہ بھی ایک قسم کا غرور، گھمنڈ اور ناشکرا پن ہے، ہر زمانہ میں ایسے لوگ معاشرہ میں رہے ان کے لئے بھی اس واقعہ میں سامانِ عبرت ہے۔

☆ ایک مرتبہ ایک شخص ایک غریب آدمی سے کھسک کر دور ہٹ گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس انسان سے کھسک کر دور کیوں ہٹ گئے یا سمجھتے ہو کہ اس کی غریبی تم کو لگ جائے گی؟

☆ بعض لوگ غریب اور نادار لوگوں کو اپنے برابر نہیں بیٹھاتے، ان کو حقیر اور معمولی سمجھ کر ان کے ساتھ مساوات انسانی کا سلوک نہیں کرتے اور ان کے لئے پانی کا گلاس، کھانے کی پلیٹ علاحدہ رکھتے ہیں اور گیٹ کے باہر کھڑا رکھتے ہیں، بے عزتی سے نام لے کر پکارتے ہیں، ان کو اپنے بیت الخلاء وغیرہ بھی استعمال کرنے نہیں دیتے، یہ بھی ایک متکبرانہ مزاج اور غریبوں کی بے عزتی کرنا ہے۔

قارون کا غرور وتکبر

قارون کا واقعہ جو ایک مالدار، مغرور ومتکبر انسان تھا، جو دولت کے نشہ میں چُور تھا، انسانوں کو سبق دینے کے لئے بیان کیا گیا، ہر دولتمند کو ہمیشہ اس پر نظر رکھنی چاہئے۔

ترجمہ:۔ <u>”بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) سے تھا، پھر وہ (دشمن قوم سے ملکر) اپنی قوم کے خلاف ہوگیا، اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ جن کی کنجیاں قوی طاقتور انسانوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی، ایک مرتبہ اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا: اتنا مت اِتراؤ! اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، جو مال و دولت اللہ نے تجھے دی ہے اس سے آخرت میں گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے بھی ایسا ہی احسان کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کوشش نہ کرو، کیونکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا، تو اس نے کہا: یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بدولت ملا ہے جو مجھے حاصل ہے،</u>

کیا اس کو معلوم نہ تھا کہ اللہ اس سے پہلے ایسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے، جو اس سے زیادہ قوت رکھتے اور مال و دولت میں اس سے زیادہ تھے، اور مجرموں سے تو ان کے گناہ نہیں پوچھے جاتے، پھر ایک دن وہ اپنی قوم کے سامنے بڑے ٹھاٹ باٹ سے نکلا، جو لوگ دنیا کے حریص تھے وہ اُسے دیکھ کر کہنے لگے: کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا، یہ بڑا نصیب والا ہے، مگر جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے: افسوس ہے تمہارے حال پر! جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اس کے لئے اللہ کے پاس بہتر ثواب ہے اور وہ ثواب صبر والوں ہی کو ملے گا، آخر کار ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کے حامیوں کی کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کو آتی اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا، اب وہی لوگ جو کل تک قارون کے مقام کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے: افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے، اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا، افسوس ہم کو یاد نہ رہا کہ کافر فلاح نہیں پا سکتے، وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی یا فساد نہیں چاہتے، اور بہترین انجام پرہیزگاروں کا ہے''۔ (القصص:۷۶تا۸۳)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب نے قصص القرآن میں بیان کیا ہے کہ تورات کی روایات سے قارون بنی اسرائیل کا ایک بہت بڑا دولتمند انسان تھا، اللہ نے اس کو غیر معمولی دولت کا مالک بنایا تھا، اس کے خزانے ہیرے جواہرات اور مال و دولت سے بھرے ہوئے تھے، اس کے خزانوں کی کنجیاں طاقتور قسم کے مزدوروں کی ایک جماعت اٹھاتی تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کو تورات یاد تھی، یہ تورات کا عالم و حافظ تھا، اس کو اس علم کے حاصل ہونے سے بھی بہت غرور و تکبر تھا، علم اور مال و دولت کی وجہ سے یہ بنی اسرائیل کے لوگوں

کو کمتر، حقیر و ذلیل سمجھتا تھا، دشمن فرعون سے ملکر منافق ہوگیا تھا، یہ فرعون کا درباری بن کر بنی اسرائیل کی پوری خبر گیری اور نگرانی کرتا تھا۔ (قرطبی)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بنی اسرائیل کی قیادت ملنے سے اس کو جلن اور حسد پیدا ہوگئی، اس کی شکایت اس نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ سے بھی کی کہ اس کے مقام کے لحاظ سے اس کو بھی بنی اسرائیل کی قیادت میں حصہ کیوں نہیں ملا، حضرت موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ یہ اللہ کی مرضی ومنشاء ہے، یہ مال و دولت کے نشہ میں اندھا اور مغرور ہوگیا اور اس کو اللہ کی دَین وعطاء اور احسان نہیں سمجھتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کو معاشی تدبیروں کا جو علم ہے وہ اس کی ذاتی محنت، ہوشیاری اور کارگذاری ہے، اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں، اس کو اپنے غرور اور تکبر میں یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ ذاتی محنت کی صلاحیت، ہوشیاری، صنعت وتجارت کی صلاحیت اور تجربہ کا علم بھی اللہ کی عطاء اور دَین ہوتا ہے، انسان کا اس میں ذاتی کوئی کمال نہیں، وہ سمجھتا تھا کہ میرا مال اور سرمایہ میرے ذاتی علم وہنر سے حاصل کیا ہوا ہے، اس لئے وہ اپنے مال و دولت میں سے اللہ کی طرف سے جو فرض (زکوٰۃ) ادا کرنے کا اور غریبوں، مساکین اور یتیموں کے حقوق ادا کرنے کا جو حکم تھا اس کا انکار کر کے اللہ کی ناشکری کیا اور اپنی قوم کے غریب ونادار لوگوں سے نفرت کرتا، غریب رشتہ داروں کو حقیر وذلیل سمجھتا تھا، ان سے نفرت وحقارت سے پیش آتا تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس کو نصیحت کی کہ اللہ نے تجھ کو بے شمار دولت وخوشحالی بخشی ہے، اس کا شکر ادا کر اور مالی حقوق زکوٰۃ، صدقات وخیرات دے کر یتیموں، غرباء، فقراء، اور مساکین کی مدد کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرو، دولت کے نشہ میں اللہ کو نہ بھول اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا نافرمانی، سرکشی اور ناشکری ہے، اس کی دی ہوئی دولت و عزت کا صلہ یہ نہیں کہ اللہ کے کمزور اور ضعیف بندوں کو حقیر وذلیل سمجھ کر بے عزتی کرے اس کے بندوں کے ساتھ نفرت کرے۔

قارون کو اپنی انانیت، غرور اور دولت کے نشہ میں حضرت موسیٰؑ کی یہ نصیحت پسند

نہ آئی، اس نے متکبرانہ انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میری دولت وثروت تیرے خدا کی عطا کردہ نہیں، یہ تو میرے عقلی تجربوں اور علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے، اگر خدا کی طرف سے ہے تو وہ مجھے اپنا محبوب رکھتا ہے اس لئے مجھے عطا کیا ہے، میں تیری نصیحت مان کر اپنی دولت اللہ کے ناپسندیدہ غریب نادار لوگوں کو دے کر برباد نہیں کرسکتا، اس کے باوجود حضرت موسیٰؑ اور قوم کے اہل علم برابر اس کو ہدایت کی طرف بلاتے رہے اور اس کو اللہ کی رضا کا راستہ بتلاتے رہے۔

بنی اسرائیل کے بعض لوگ قارون کی اس دنیوی شان وشوکت، مال و دولت کو دیکھ کر رال ٹپکانے لگے اور حسرت وآرزو کرنے لگے اور کہنے لگے: کاش ہمیں بھی ایسی ہی دولت، شان وشوکت نصیب ہوتی، مگر بنی اسرائیل کے عقلمند لوگ سمجھاتے کہ خبردار اس دنیوی چمک دمک پر نہ جانا، یہ چندروزہ ہے، انسان کے لئے دنیا میں اللہ کی نافرمانی کی یہ چمکداری اور گندگی آخرت کی بربادی ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ بے رونق زندگی، آخرت کی عزت وآرام کا سرمایہ ہے، عنقریب تم لوگ دیکھ لوگے کہ اس کی دولت اور شان وشوکت کا انجامِ بد کیسا ہونے والا ہے۔

آخر کار ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں پیغامِ الٰہی سنا رہے تھے، قارون ایک بڑی جماعت اور خزانوں کی نمائش کے ساتھ سامنے سے گذرا، وہ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم پر اپنا اور اپنی دولت کا رعب ڈالنا چاہتا تھا، پوچھا: اچھا یہ بتاؤ اگر کوئی زنا کرے تو اس کو کیا سزا دی جائے؟ آپؑ نے فرمایا: شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے، اگر آپ خود زنا کریں تو؟ اس پر حضرت موسیٰؑ نے کہا: مجھے بھی سنگسار کیا جائے، اس پر ایک عورت مجمع میں سے اٹھی اور حضرت موسیٰؑ پر زنا کا الزام لگاتے ہوئے پورے مجمع کے سامنے کہا کہ انہوں نے مجھ سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں، حضرت موسیٰؑ یہ سن کر فوراً سجدہ میں گر پڑے اور پھر سر اٹھا کر عورت کی جانب مخاطب ہو کر کہا: تو نے جو کچھ ابھی کہا تھا کیا اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے کہ یہ سچ ہے، عورت جیسے ہی اللہ کا نام سنی اس

پر رعشہ طاری ہو گیا اور اس نے کہا خدا کی قسم سچ بات تو یہ ہے کہ قارون نے مجھے پیسہ دے کر یہ الزام لگانے پر تیار کیا تھا، ورنہ آپ اس سے بری اور پاک ہیں، تب حضرت موسیٰؑ نے قارون کے لئے بد دعاء کی اور اللہ سے مدد مانگی، اللہ نے زمین کو حضرت موسیٰؑ کے تابع کر دیا اور آپؑ نے زمین کو حکم دیا کہ اللہ کے حکم سے قارون کو مع ساز وسامان زمین میں دھنسا دے، پہلے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا، زمین نے قارون کو پیروں کے ساتھ پکڑ لیا تو قارون نے کہا: اچھا میرے مال پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس پر حضرت موسیٰؑ نے زمین کو اس کے مال کے ساتھ دھنسانے کا حکم دیا، وہ مال اور خزانوں کے ساتھ زمین میں دھنس گیا، بنی اسرائیل اس کی اس بے عزتی کو دیکھتے رہے، پھر قارون کا یہ حشر دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے عذاب سے بچالیا، ہمیں یاد نہ رہا کہ کافر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

قارون کا یہ واقعہ ایک تو بنی اسرائیل کے لئے عبرت ونصیحت بنا، دوسرا اس واقعہ کو سنا کر مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار دولتمند ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کو احساس دلایا گیا کہ وہ بین الاقوامی تجارت، شراب، زنا اور سود خوری کی وجہ سے قارون بن گئے ہیں اور قارون کی طرح اپنے آپ کو اللہ کا محبوب سمجھ کر غریبوں محتاجوں، رشتہ داروں کا حق مار کر ظلم وزیادتی کر رہے ہیں، دولت کے نشہ میں رسول اللہ ﷺ کا انکار کر کے ان کی بات نہیں مانتے ہیں، قارون کی طرح ان کو اللہ کی پکڑ کا احساس نہیں، وہ اسی کی طرح اپنے مقام اور دولت کو اپنا ذاتی حق اور محنت کا ثمر سمجھتے ہیں، قارون کی طرح وہ بھی اپنے آپ کو قوم کی قیادت کے حصہ دار بننے کے خواہشمند ہیں اور قارون ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ سے جلن وحسد رکھتے ہیں۔

اس میں اللہ کے باغی فاسق وفاجر دولتمندوں کی بنگلہ، کوٹھی، موٹریں، تجارت اور دنیا کی چمک دمک کو دیکھ کر رال ٹپکانے والوں اور ناامید ہونے والوں کو زبردست سبق ہے، اللہ جب کسی کو ڈبونا چاہتا ہے تو اس کو پیٹ بھر کر پانی پلا کر ڈبوتا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی فاسق و فاجر کی نعمت و دولت پر رشک نہ کرو، اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد اس سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ (مشکوٰۃ)

☆ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ اگر کسی انسان کے پاس دنیا خوب آرہی ہے اور دین اس کی زندگی سے ختم ہو رہا ہے تو یہ اس کی آخرت کی بربادی و تباہی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! آخرت کے مقابلہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص دریا میں انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آتی ہے۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر آخرت میں نہیں اور دنیا کے لئے وہی جمع کیا ہے جس کے پاس عقل نہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو انسان دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا تو وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، (پس عقلمندی اور دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ) فناء ہونے والی دنیا کے مقابلہ میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔ (مسند احمد، بیہقی)

دولتمند ہونے کے بعد ثعلبہ کا زکوٰۃ وصدقات دینے سے انکار:

اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں پیش آیا، ثعلبہ نامی ایک شخص جو بہت غریب تھا، اس نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے تجارت میں ترقی اور معاشی تنگی دور ہونے کی دعاء کرنے کی درخواست کی، آپؐ نے پہلے منع فرمایا اور اسی حال میں صبر کے ساتھ زندگی گذارنے کی ترغیب دی، مگر اس کے بار بار اصرار کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تجارت میں ترقی کی دعاء کردی، کچھ دنوں کے بعد ثعلبہ کی تجارت میں ترقی ہونا شروع ہوگئی اور فرصت بالکل نہیں ملنے لگی، اب وہ تجارت کے لئے

مدینہ سے باہر جا کر پانچ وقت کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرنے سے غیر حاضر ہونے لگا، آخر میں آپؐ سے اجازت لے کر مدینہ سے باہر مکان بنالیا اور وہیں رہنے لگا، اب صرف جمعہ کو ایک مرتبہ مدینہ آنے لگا، پھر جمعہ میں بھی پابندی ختم ہوگئی، جب زکوٰۃ کا حکم آیا اور مسلمانوں کو زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا گیا تو ثعلبہ کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے صحابہؓ گئے، ثعلبہ نے شکر گذاری اور فرمانبرداری کا انداز اختیار کرنے کے بجائے زکوٰۃ کا نام سن کر کہا: کیا اب مسلمانوں سے بھی زکوٰۃ کی شکل میں جزیہ وصول کیا جائے گا، وہ صحابہؓ کو بعد میں آنے کے لئے کہا اور اس پر غور کرنے کا اظہار کیا، جب دو تین مرتبہ کے کہنے کے باوجود اس نے زکوٰۃ نہ دی تو حکم آ گیا کہ جو لوگ زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے ان سے زکوٰۃ نہ لی جائے، جیسے ہی ثعلبہ کو اس حکم کی خبر پہنچی وہ دوڑتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس زکوٰۃ لیکر آیا، آپؐ نے اپنا چہرہ اس کی طرف سے پھیر لیا اور زکوٰۃ لینے سے انکار کر دیا، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس نے زکوٰۃ دینے کی کوشش کی مگر اس کی زکوٰۃ نہیں لی گئی، اللہ کی نعمت اور احسان کرنے کے بعد اس نے کفر کی روش اختیار کی۔

☆ اس کے برعکس ایک دوسرے صحابیؓ کے پاس جب صحابہؓ زکوٰۃ وصول کرنے گئے تو انہوں نے خوشی خوشی اپنے اونٹوں میں سے عمدہ اونٹ زکوٰۃ میں اللہ کے راستہ میں لینے کی خواہش کی، صحابہؓ نے حساب ڈال کر ان کے اونٹوں کی زکوٰۃ نکالی تو ایک اونٹ کا بچہ ہی نکل رہا تھا، ان صحابیؓ نے عرض کیا بچہ لے کر کیا کرو گے، وہ کچھ بھی کام نہیں آئے گا، صحتمند، جوان اور طاقتور اونٹ دینا چاہتا ہوں اُسے قبول کیجئے، صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے بغیر لینے سے انکار کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر ہی ان کا جوان اونٹ قبول فرمایا، یہ اللہ کے ساتھ شکرانہ کا انداز ہے، اللہ کے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا انداز ہے، یہ مومن کی صفت ہے، عبدیت و بندگی ایسے ہی کی جاتی ہے۔

پیارے بچو! ایمانداری اور وفاداری یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کے احسان کو مانے اور سچ سچ بات کا اظہار کرنے کے لئے اپنے محسن کا شکر گذار بنا رہے، انسانوں کو غریبی،

پریشانی، بیماری، خوف سے چھٹکارا، دشمن سے حفاظت، دولت، عزت، مرتبہ، تعلیم، ہنر، کرسی وعہدہ، عمدہ مکان و جائیداد، عمدہ سواری، عمدہ غذائیں، عمدہ لباس، عمدہ عقل، عمدہ اخلاق، دینداروں کی صحبت، سمجھدار ماں باپ، فرمانبردار بیوی واولاد اور حقوق ادا کرنے والا شوہر ملے تو اس پر سب سے پہلے زبان سے کھلے عام اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کا احسان مانے اور ان تمام نعمتوں کو صرف اور صرف اللہ کی عطاء، مہربانی، فضل ودَین سمجھیں، انسان کی یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ سے نعمتیں ملنے کے بعد اس کو اپنی ذاتی کوشش، ذاتی صلاحیت اور قابلیت سمجھتا ہے یا اللہ کے علاوہ مخلوق کی عطاء ودین سمجھتا ہے اور اللہ کا شکر گذار بننے کے بجائے کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

نعمتوں پر اس کا اعتراف کرنا ہی ایمانداری وشکر گذاری ہے!

اسلام نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بن کر رہنے کی تعلیم دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر دن رات غور وفکر کر کے شکر کے جذبات پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے، جب ایمان والوں میں نعمتوں پر شکر کے جذبات پیدا ہوں گے تو ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھے گی اور جب محبت بڑھے گی تو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کی اطاعت واتباع کرنے کی تڑپ اپنے اندر پیدا کرے گا۔

☆ نعمتوں میں کئی قسم کی نعمتیں ہیں، اسلام نے انسانوں کو اللہ کے احسانات وانعامات سمجھنے کے لئے آفاق (کائنات کی چیزوں) میں اور انفس یعنی خود انسان کو اپنے اندر غور وفکر کرنے کی تعلیم دی ہے۔

شکر گذار بننے کا پہلا طریقہ:

☆ جب تک انسان نے سائنس میں ترقی نہیں کی تھی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ معجزات یا ولیوں کے ذریعہ کرامات کو ظاہر کرتا تھا اور اپنی قدرت کا مظاہرہ ان کے ذریعہ بھی کرتا تھا، اب جبکہ انسان کائنات کی چیزوں میں خوب ریسرچ کر رہا ہے تو

قدرت کی بہت ساری تخلیق، ربوبیت، ہدایت، حکمت اور علم کو سمجھ رہا ہے، کائنات کی چیزوں میں قدرت پر غور وفکر کر کے اللہ تعالی کے احسانات وانعامات کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے اس طرح وہ اللہ کے احسانات، انعامات اور فضل کو سمجھ سکتا ہے کہ اللہ نے اس کے ساتھ اس کی ربوبیت، اس کی ہدایت، اس کی تخلیق میں کیسے کیسے احسانات کئے، اس پر وہ شکر گذار بن سکتا ہے۔

شکر گذار بننے کا دوسرا طریقہ:

انسان اپنے سے کمتر، معذور، اپاہج، غریب اور مجبور ومحتاج انسانوں پر غور کرے، اس سے انسان میں شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اگر انسان اپنے سے اونچے، اپنے سے زیادہ دولتمند اور دنیادار کو دیکھے گا تو حسرت وافسوس ہوگا، احساس کمتری وناامیدی میں گرفتار ہو جائے گا، اس میں شکر کا احساس پیدا نہیں ہوگا، اس لئے ایمان والے ہمیشہ اپنے سے کم نعمتیں رکھنے والوں پر نگاہ رکھیں، مثلاً:

☆ دنیا میں بہت سے لوگ سڑکوں پر رات گذارتے اور بے روزگار ہوتے ہیں، ناکام ونقصان میں رہتے ہیں، ذاتی مکان اور دُکان سے محروم رہتے ہیں، علم سے دور رہتے ہیں، اخلاق سے خالی ہوتے ہیں، عقل سے محروم رہتے ہیں، پاگل دیوانے بن کر کچرے میں سے چُن کر کھاتے اور پھٹے پُرانے کپڑے پہنے پھرتے ہیں، یا پھر ایمان سے محروم ہوتے ہیں، یا پھر ایمان کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں، فاسق وفاجر رہتے ہیں، نماز نہیں ادا کرتے، ناچتے گاتے، نیم برہنہ پھرتے، ان تمام لوگوں کو دیکھنے سے ایمان اور پرہیزگار انسانوں میں اللہ کی نعمتوں کے ملنے سے شکر کے جذبات زندہ ہوتے ہیں۔

☆ ایک بزرگ ایک مرتبہ راستہ سے جارہے تھے، ان کے پیر میں چپل نہیں تھی، وہ ننگے پیر چل رہے تھے، سوچے کہ اللہ نے مجھے چپل خریدنے کے برابر بھی رقم نہیں دی، اتنے میں سامنے سے ایک ایسا انسان گذر رہا تھا جس کو پیر ہی نہیں تھے، جسم گھسیٹ کر سڑک پر سے جارہا تھا، فوراً سوچا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے پیر عطا فرمائے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ جب رات کو بستر پر آتے تو فرماتے شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے کھانے کو دیا، پینے کو دیا اور میری سب ضرورتیں پوری فرمائیں اور مجھے ٹھکانا دیا؛ حالانکہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کی نہ ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی ٹھکانہ ہے۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دل کی گہرائی سے الحمدللہ کہنا بہترین شکر ہے۔ (مشکوٰۃ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے اس بندہ سے خوش ہوتا ہے جو کھائے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور پئے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ (مسلم، ترمذی)

انسان کو اپنی پستی کی حالت نہیں بھولنا چاہئے

☆ دنیا میں بہت سے لوگ غریب سے امیر بنتے ہیں، بیماری سے صحت مند بنتے ہیں، معمولی حیثیت سے بڑے عہدیدار و باحیثیت بنتے ہیں، اَن پڑھ سے پڑھے لکھے ہو کر اولاد کو اونچی تعلیم دلاتے اور قابل بناتے ہیں، محنت مزدوری کرنے والے موٹر نشین اور مال و جائیداد والے بنتے ہیں، جاہل سے عالم بنتے ہیں، جب نعمت والے ہو جاتے ہیں تو غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر اس کو اپنی ذاتی محنت اور کمائی کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور ناشکری و کفر کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے امت کی تربیت کے لئے شکر گذاری اور ناشکری کرنے والوں کے حالات سنا کر اپنے امتیوں کی تربیت فرمائی، مؤمن کو اپنے پیغمبر کی بیان کردہ باتیں ذہن میں رکھ کر زندگی گذارنا چاہئے۔

بنی اسرائیل کے تین غریب معذور انسانوں کا واقعہ:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے، ایک برص (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا تھا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے تینوں کی آزمائش کرنے کے لئے ایک فرشتے کو ان تینوں کے پاس علاحدہ علاحدہ بھیجا، فرشتہ برص والے آدمی کے پاس آیا، اس سے اس کی خواہش دریافت کی، اس نے کہا کہ مجھے اگر یہ مرضِ برص سے نجات مل

جائے اور اچھی جلد مل جائے تو لوگ میری عزت کریں گے اور قریب آئیں گے، اس پر فرشتے نے اس کی جلد پر ہاتھ پھیرا اور وہ خوبصورت تازہ جلد والا بن گیا، پھر اس سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا مال پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا اونٹ چاہئے، فرشتے نے اُسے ایک گابھن اونٹنی دیدی اور دعاء دی کہ اللہ تجھے اس اونٹنی میں برکت عطا فرمائے۔

☆ پھر وہ فرشتہ گنجے انسان کے پاس گیا اور اس کی خواہش دریافت کی، اس نے کہا: اگر میرا گنجاپن دور ہو جائے اور مجھے ایک گائے مل جائے تو بہت سکون ہو جائے گا، فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عمدہ کالے بال آگئے اور اُسے ایک گابھن گائے دیدی اور دعاء دی کہ اللہ تیرے مال میں برکت دے۔

☆ پھر فرشتہ اندھے انسان کے پاس گیا اور اس سے اس کی خواہش دریافت کی اس نے کہا: کہ اگر مجھے آنکھوں کی روشنی اور بکری مل جائے تو میں بہت آرام سے زندگی گذار لوں گا، فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا، اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں، پھر اُسے ایک گابھن بکری دی اور دعاء دی کہ اللہ اُسے اس بکری میں برکت عطا فرمائے۔

کچھ دنوں کے بعد تینوں کا یہ حال ہو گیا کہ کوڑھی انسان کے پاس اونٹ ہی اونٹ ہو گئے، گنجے انسان کے پاس گائیوں کی بڑی تعداد ہو گئی اور اندھے انسان کے پاس بکریوں کا ریوڑ کا ریوڑ جمع ہو گیا۔

☆ فرشتہ ایک غریب انسان کی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا: میرے وطن جانے کا کوئی انتظام نہیں، میں تجھ سے اللہ کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت جلد، عمدہ رنگ اور جسم دیا اور مال بھی عطاء کیا، اس لئے اللہ کے نام پر ایک اونٹ دیدے تا کہ میں سفر کر سکوں، کوڑھی نے بہانے بنائے اور دینے سے انکار کیا، تب فرشتے نے کہا: میں جانتا ہوں تو وہی کوڑھی انسان ہے جس کے جسم پر سفید داغ تھے، لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے، تو غریب اور فقیر تھا اللہ نے تجھے مال سے نوازا، اس نے کہا: یہ مال تو مجھے باپ دادا سے وراثت میں ملا ہے، فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا

کردے جیسا پہلے تھا۔

☆ پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے وہی بات کہی جو پہلے کوڑھی سے کہی تھی اور ایک گائے مانگی، اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے کہا تھا کہ یہ مال مجھے باپ دادا سے ورثہ میں ملا ہے، فرشتہ نے پھر بددعاء دی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پھر ویسا ہی کردے۔

☆ اس کے بعد فرشتہ اندھے انسان کے پاس گیا اور کہا: میں غریب مسافر ہوں، مجھے میرے وطن جانا ہے، میری مالی امداد کر، میں تجھ سے اس ذات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے آنکھیں عطاء کیں، اندھے پن سے نجات دی اور مال عطا کیا، مجھے اللہ کے واسطے ایک بکری دیدے، اندھے انسان نے کہا: بیشک میں اندھا تھا، غریب تھا، اللہ نے مجھے بینائی عطا فرمائی اور آنکھوں کی روشنی سے نوازا اور مجھے کثیر مال دیا، فرشتہ سے کہا: تو جو بکری چاہے میرے مال میں سے لے لے، میں خوشی سے دے رہا ہوں، میں ناراض نہیں ہوں گا، یہ سن کر فرشتہ نے کہا: اپنا مال تو اپنے پاس ہی رکھ، اللہ نے تمہاری آزمائش کی ہے، تو کامیاب رہا، اللہ تجھ سے راضی ہوگیا اور تیرے پہلے اور دوسرے دونوں ساتھیوں سے اللہ ناراض ہوگیا۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! کیا مؤمن بخیل اور جھوٹا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! (مشکوٰۃ)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑئے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دئے گئے ہوں تو ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کرسکتے جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزت وجاہ کی حرص تباہ کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ سے سبق

ترجمہ:۔ ''ذرا ان کو وہ قصہ سناؤ جو موسیٰ کو پیش آیا تھا جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں''۔ (کہف:۶۰)

دنیا میں جو بھی حالات آتے ہیں وہ اللہ کی مشیت و حکمت کے تحت آتے ہیں:

دنیا کی زندگی میں انسان کو مختلف خیر و شر والے حالات سے گذرنا پڑتا ہے، مؤمن پر جو حالات آتے ہیں ان کی وجوہات الگ ہوتی ہیں، غیر مسلم پر جو حالات آتے ہیں ان کی وجوہات الگ ہوتی ہیں، ہر انسان کو خیر و شر کے حالات سے گذرنا پڑتا ہے، جیسے کسی کے اہل و عیال میں باپ، بیٹا اور شوہر کا انتقال ہو کر افراد خاندان بیوہ و یتیم ہو جاتے ہیں، کسی کے مال و تجارت میں نقصان ہو جاتا ہے، کسی پر ایمان کی وجہ سے ظلم، فساد اور ناانصافی ہوتی ہے، کسی کی دُکان و مکان میں آگ، چوری ڈکیتی ہو جاتی ہے، کوئی زلزلہ اور طوفان سے ہلاک کردئے جاتے ہیں، کوئی اللہ کا نافرمان باغی ہونے کے باوجود دنیا میں مزیدار، عزت دار، شان و شوکت، بنگلہ اور موٹر والی زندگی گذارتا ہے، کوئی نیک متقی ہو کر بھی غربت و مفلسی میں زندگی گذارتا ہے، کوئی اپاہج اور مغرور ہوتا ہے اور کوئی صحتمند و تندرست ہوتا ہے، کسی کو اولاد ہوتی ہے اور کوئی اولاد سے محروم ہوتا ہے، غرض ان تمام حالات میں انسان اگر ایمان سے خالی ہو یا کمزور ایمان والا ہو تو حالات کا ظاہری شکلوں سے غلط نتیجے نکال کر ناامید ہو جاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا اللہ کو بُرا بھلا کہتا ہے یا دل میں اللہ کے فیصلہ پر غم و غصہ ہوتا ہے، ان حالات میں کمزور ایمان والے ایمان سے متزلزل ہو کر شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یا شرکیہ الفاظ اور باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں، اسی طرح خیر اور کامیابی اور ترقی کے حالات رہیں تو ایمان کے نہ ہونے یا کمزور ایمان ہونے پر اعتدال کی روش چھوڑ کر غرور و تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ناشکری کرتے ہیں۔

انسان پر اچھے اور بُرے جو بھی حالات آتے ہیں وہ اللہ کی مشیت و حکمت کے تحت

ہی آتے ہیں، اللہ کے حکم اور مرضی ومنشاء کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا، یا تو یہ حالات امتحان و آزمائش کے لئے آئیں گے یا سزاء اور عذاب کی وجہ سے آئیں گے، یا انعام وعطاء کی شکل میں آئیں گے یا حفاظت ومدد کی شکل میں آئیں گے یا آخرت میں درجات بڑھانے کے لئے آئیں گے، انسان اپنے محدود علم وعقل سے حالات کی ظاہری شکلوں کو دیکھ کر نتائج اخذ نہیں کرسکتا اور نہ اللہ کے کاموں کی حکمت ومصلحت اور اسرار کو جان سکتا ہے، صلح حدیبیہ میں بظاہر دب کر صلح کرنی پڑی، مگر اس صلح کے پیچھے فتحِ مبین پوشیدہ تھی، صحابہؓ کو اپنی شکست اور بے عزتی وکمزوری نظر آرہی تھی، مکہ میں مسلمان بظاہر کمزور، بے یارومددگار نظر آرہے تھے، سب کو مکہ سے بھاگنا پڑ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ کے مرد بچوں کا انتقال ہوگیا، بظاہر آپؐ کا کام پرورش پانے والا اور کامیابی پانے والا نظر نہیں آرہا تھا، مگر اللہ نے مدینہ میں پروان چڑھایا، جنگ بدر کے موقع پر مشرکین کو بظاہر اپنے گھوڑے، اونٹ، ہتھیار اور تعداد سے کامیابی نظر آرہی تھی، مگر اللہ کی حکمت کچھ دوسری تھی، اللہ تعالیٰ شر سے خیر نکالتا ہے اور خیر سے شر، اس کی حکمت ومصلحت انسان، فرشتے اور خود پیغمبر بھی نہیں سمجھ سکتے، اللہ تعالیٰ ایمان والے بندوں میں مضبوط ایمان پیدا کرنے اور ان میں استقامت برقرار رکھنے کے لئے قرآن مجید کی سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو پیش کر کے قیامت تک آنے والے امت محمدیہ کے ہر فرد کی تربیت فرمارہا ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ لوگوں میں خطبہ دے رہے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ علم اس وقت کس کو ہے؟ آپؑ چونکہ اللہ کے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ علم آپ کو عطا فرمایا تھا، اس لئے بے ساختہ کہا کہ مجھے سب سے زیادہ علم ہے، اللہ کو اپنے پیغمبر کا یہ جواب پسند نہیں آیا، دراصل اللہ اپنے بندوں کی تربیت کرنا چاہتا تھا؛ اس لئے حضرت موسیٰؑ پر وحی بھیجی کہ آپ کو اس سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہئے تھا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ساری مخلوق میں کون سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے، پھر اللہ نے وحی کے ذریعہ بتلایا کہ ہمارا ایک بندہ

فلاں مقام پر ہے، وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے، پھر حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے درخواست کی کہ وہ جب مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو مجھے ان سے استفادہ کا موقع دیجئے، اللہ نے اجازت دیدی، یہ اپنے خادم کو لیکر ایک مردہ مچھلی ساتھ رکھ کر سفر پر نکل گئے، اللہ نے ان کو بتلایا تھا کہ مچھلی جہاں زندہ ہوکر پانی میں سرنگ بنا کر چلی جائے گی وہیں ہمارا بندہ رہتا ہے، حضرت موسیٰؑ اور آپ کے خادم راستہ بھول کر آگے چلے گئے، پھر تھک کر واپس آئے اور حضرت خضرؑ سے ملاقات کی، اس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہر اہل علم سے علم سیکھنے کے لئے سفر کرنا پڑے تو سفر کرنا چاہئے، اہل علم کو جاننے کے باوجود ان سے فائدہ نہ اٹھانا اور علم نہ سیکھنا بیوقوفی اور نادانی ہے۔

☆ حضرت موسیٰؑ باوجود اس کے کہ حضرت خضرؑ سے افضل تھے، علم میں بھی زیادہ تھے مگر حضرت خضرؑ کے پاس ایک خاص قسم کا علم ''علم تکوینی'' تھا، وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس نہیں تھا، اس لئے اللہ نے آپ کو حضرت خضرؑ کے پاس تربیت کے لئے بھیجا، قرآن مجید میں تو اللہ نے اس واقعہ میں اپنے بندے کا نام نہیں بتلایا اور نہ یہ بتلایا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا، صحیح بخاری کی حدیث میں ان کا نام حضرت خضرؑ بتلایا گیا، خضر کے لفظی معنیٰ ہرے بھرے کے ہیں، مفسرین نے یہ وجہ بتلائی کہ وہ جس جگہ بیٹھ جاتے زمین چاہے کیسی ہی ہو ہری بھری اور سرسبز وشاداب ہوجاتی تھی، قرآن کریم نے ان کے تعارف میں کچھ نہیں فرمایا، آیا یہ پیغمبر تھے یا کوئی خاص انسان تھے یا ولی اور بزرگ تھے یا کوئی فرشتہ تھے، کس جنس سے تعلق رکھتے تھے؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، البتہ فرشتہ ہو یا کوئی اور مخلوق جب اللہ انسانوں کے پاس بھیجتا ہے تو عموماً انسانی شکل میں ملاقات ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے سلام کر کے ملاقات کی اور درخواست کی کہ میں آپ سے آپ کو اللہ کا دیا ہوا علم آپ کے ساتھ رہ کر سیکھنے آیا ہوں، حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر و برداشت نہیں کر سکیں گے، اور کیسے صبر کر سکیں گے جبکہ آپ کو حقیقت ہی کی خبر نہ ہو، آپ کے علم اور میرے علم کی نوعیت الگ الگ ہے، آپ کو میرا ہر عمل قابلِ اعتراض نظر آئے گا۔

☆ حضرت موسیٰؑ چونکہ علم شریعت کے حامل تھے، وہ سمجھے کہ یہ اللہ والے ہیں کوئی کام خلاف شرع تو نہیں کریں گے، اس لئے انہوں نے کہا میں حقیقت نہ جاننے کے باوجود صبر کروں گا، آپ نے حضرت خضرؑ سے صبر کرنے کا وعدہ کیا، ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت خضرؑ علم تکوینی کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں جو براہ راست اللہ کے حکم سے اس پر عمل کیا جاتا ہے، یعنی حقیقت یہ ہے کہ علم تشریعی کا جاننے والا اپنے علم سے عمل کی ظاہری غلط شکل پر نہ خاموش رہ سکتا ہے اور نہ صبر کر سکتا ہے، اس لئے اس واقعہ میں حضرت موسیٰؑ کی بے صبری کا سوال ہماری سمجھ سے غلط ہوگا، جبکہ واقعہ میں حضرت خضرؑ کی حضرت موسیٰؑ کے صبر نہ کرنے کی شکایت صحیح ہے، اگر کوئی فرشتہ انسانی شکل میں آکر کسی کو قتل کر ڈالے یا کسی کی دُکان و مکان کو آگ لگا دے تو ہم بھی یقینی طور پر صبر نہیں کریں گے، یہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو کائنات میں ہونے والے واقعات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا رہا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کام اور عمل کی حکمت و مصلحت نہیں بتلاتا، انسان کو ان حالات میں رکھ کر صبر کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اور ان حالات کے ذریعہ اللہ اپنے بندے کی عبدیت و بندگی دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کسی بھی حالات میں صبر کرنے کے بجائے زبان سے اللہ کی شکایت تو نہیں کرتا، اللہ کے فیصلہ پر غم وغصہ کا اظہار تو نہیں کرتا اور نا امید تو نہیں ہوتا۔

☆ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ ساتھ ساتھ سفر کرنے لگے، اس سفر میں انہوں نے تین کام کئے، دو کام کھلے طور پر شریعت کے خلاف تھے، جس پر حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کیسے خاموش رہتے، سفر میں چلتے وقت ایک کشتی والے نے انہیں پہچان کر اپنی کشتی میں دونوں کو بیٹھالیا، اسی اثناء میں ایک چڑیا نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر سے اپنی چونچ میں پانی بھر کر پیا، حضرت خضرؑ نے کہا: میرا اور آپ کا علم مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنا کہ اس چڑیا کی چونچ میں اس سمندر کا پانی لگا ہے، حضرت خضرؑ نے اپنے مقام پر اترنے کے بعد اس کشتی کا ایک تختہ نکال کر اُسے عیب دار کر دیا، ان کے اس عمل پر حضرت موسیٰؑ خاموش نہ رہ سکے، کہنے لگے: کشتی والے نے بغیر

اجرت لئے ہمیں سفر کرادیا اور آپ نے اسی کی کشتی توڑ ڈالی، (بظاہر یہ کشتی والے کا مالی نقصان تھا اور بغیر کسی عذر کے کسی کے مال کا نقصان کرنا شرعی اعتبار سے گناہ ہے)، حضرت موسیٰؑ نے کہا: یہ تو آپ نے بُرا کام کیا، حضرت خضرؑ نے کہا: میں پہلے ہی آپ سے کہہ چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے، اس پر حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں وعدہ بھول گیا تھا، اس بھول پر آپ مجھے معاف کیجئے، پھر کشتی سے اتر کر ساحل کے قریب سے چلنے لگے، اچانک حضرت خضرؑ کی نگاہ ایک لڑکے پر پڑی جو بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضرؑ نے اس لڑکے کو مار ڈالا، حضرت موسیٰؑ، حضرت خضرؑ کے اس عمل پر بھی خاموش نہ رہ سکے، فوراً کہا کہ آپ نے ایک معصوم بچہ کو بغیر جرم کے مار ڈالا، یہ تو آپ نے بڑا گناہ کردیا، پھر حضرت خضرؑ نے کہا: میں پہلے کہہ چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے، اس پر حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ معذرت چاہی اور کہا کہ اس کے بعد اگر میں صبر نہ کروں تو آپ مجھے علاحدہ کردیں، اس کے بعد آگے چلے، ایک دیہات پر گذر ہوا، گاؤں والوں سے درخواست کی کہ ہمیں بھوک لگی ہے، ہمارے لئے کچھ کھانے کا انتظام کردو، ان لوگوں نے انکار کردیا اسی بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضرؑ نے اس کو اپنے ہاتھوں سے درست کردیا، حضرت موسیٰؑ نے تعجب سے کہا: ان لوگوں نے تو ہماری ضیافت سے انکار کیا اور آپ نے بغیر اجرت لئے ان کی مدد کردی، اس پر حضرت خضرؑ نے کہا: اب ہمارے الگ ہونے کا وقت آگیا ہے۔

☆ پہلے دونوں واقعات میں کھلے طور پر شرعی خلاف ورزی نظر آرہی تھی جس پر حضرت موسیٰؑ صبر نہ کرسکے، حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو ان تینوں واقعات کی تفصیل بتلائی کہ یہ تینوں کام میں نے اللہ کے حکم سے کئے ہیں، پھر آپ نے بتلایا کہ وہ کشتی غریب آدمیوں کی تھی جو سمندر میں محنت ومزدوری سے گذارا کرلیتے ہیں، ان کی کشتی کو عیب دار بنانے کی وجہ اور مصلحت یہ تھی کہ اُس پار کا ایک ظالم بادشاہ جو جنگ کی تیاری میں ہے اچھی اچھی کشتیوں کو زبردستی چھین لیتا تھا، اگر میں عیب دار نہ بناتا تو یہ کشتی بھی وہ چھین لیتا، رہا

وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ نیک اور ایماندار تھے، وہ بڑا ہو کر کافر اور ظالم ہوتا، ماں باپ کو اس سے بہت محبت تھی، یہ اپنے ظلم و نافرمانی سے ان کو تکلیف دیتا، اس کے بدلے ان کا پروردگار ان کو اس سے بہتر اولاد دے گا، پھر اس دیوار کے بارے میں کہا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا مال دفن ہے، ان کا باپ جو ایک نیک انسان تھا مر گیا، اس نے میراث میں اپنی اولاد کے لئے مال چھوڑ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے نیک ہونے کی برکت سے اس کی اولاد کے مال کی حفاظت کرنی چاہی، اگر دیوار گر جاتی تو یہ مال لوگ لوٹ لیتے، جو شخص ان لڑکوں کا سرپرست تھا اس کو اس مال کے دفن ہونے کا علم ہے، مگر وہ یہاں موجود نہیں، اس لئے آپ کے رب نے چاہا کہ لڑکا جوانی کی عمر کو پہنچنے تک اس کے مال کی حفاظت ہو، یہ ہے ان واقعات کی حقیقت جس پر آپ صبر نہ کر سکے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پورا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: جی چاہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کچھ مزید صبر کر لیتے تو ان دونوں کے درمیان کچھ اور باتیں معلوم ہوتیں۔

غرض یہی تکوینی نظام ہے جس کے تحت انسانوں اور جنوں پر مختلف حالات آتے ہیں، ان واقعات کے ذریعہ گویا بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے ظلم و زیادتیوں پر صبر اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو مشرکین مکہ کے ظلم و زیادتیوں پر صبر اختیار کرنے اور فرعون کے ظلم پر اس کو دنیا کی نعمتیں ملنے اور مشرکین مکہ کے ظلم پر ان کی پکڑ نہ کرنے اور ان کو دنیا کا مال و متاع ملتے رہنے پر اللہ کی حکمت و مشیت کو سمجھنے کی تعلیم دی گئی، اگر فرعون یا مشرکین مکہ کے ظلم پر فوراً عذاب نہ آنے کو وہ لوگ ایمان والوں پر ظلم کرنے میں نڈر بن رہے تھے تو اس میں حکمت و مشیتِ خداوندی پر نظر رکھ کر صبر کرتے رہنے کی تعلیم دی گئی، اللہ جب کسی کو ڈبونا چاہتا ہے تو خوب پانی پلا کر ڈوباتا ہے۔

انسان کو جتنا زیادہ اللہ کے اس تکوینی نظام پر یقین ہوگا وہ تمام خوشی و غم کے حالات میں اعتدال پر رہے گا اور صبر اختیار کرے گا، وہ جانے گا کہ یہ سب کچھ اللہ میرے فائدہ اور اچھائی کے لئے کر رہا ہے، میں اس کی حکمت و مصلحت نہیں جانتا، میں ہر حالت میں اس

کے فیصلہ پر راضی ہوں اور اپنی زبان سے اس سے کوئی شکایت نہ کرتے ہوئے اس کی عبدیت و بندگی کروں گا، اسی لئے دنیا میں تمام شر کے حالات میں طاقتور مومن' مضبوط ایمان والا حالات کے ظاہری شکل وصورت سے متاثر نہیں ہوتا اور مضبوطی کے ساتھ ایمان پر جما رہتا ہے، ہر مصیبت پر ثابت قدم رہتا ہے، اللہ نے حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کے ان واقعات کو قرآن مجید میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا اور قیامت تک آنے والے ایمان والوں کو یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں جو بھی حالات آئیں انہیں اللہ کی حکمت و مصلحت اور مشیت سمجھے، اللہ کی مشیت کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرتا، اسی طرح دنیا کا کوئی واقعہ اور کوئی عمل یا غیر مسلموں کا ظلم اللہ کی حکمت اور مرضی کے خلاف نہیں ہوتا، ان حالات کی ظاہری شکلیں کچھ ہوتی ہیں اور ان کے نتائج کچھ ہوتے ہیں، انسان اور جن اللہ کے ہر فیصلہ کی حکمت اور منشاء و مصلحت کو نہیں جان سکتے، وہ ظالموں کے ظلم کرنے کی چاہت پر اپنے نیک بندوں پر سے جب فرشتوں کو ہٹالیتا ہے یا قتل اور چوری کرنے کے مکمل ارادہ اور چاہت پر جب فرشتوں کو ہٹالیتا ہے تو شیطان کو برائی کرانے کا موقع مل جاتا ہے تبھی انسان اپنی برائی میں کامیاب ہوسکتا ہے اور آخرت کی گھاٹے کی کمائی کماتا ہے، مظلوم کو ظلم کی پاداش میں شہید کا درجہ دیتا ہے، جو جس انداز کی دنیا کی زندگی میں تجارت اور سودا کرنا پسند کرتا ہے اس کو اس کی راہ اپنی حکمت و مصلحت سے کھول دیتا ہے، اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کو یہ سبق دے رہا ہے کہ تم صحابہؓ پر ظلم وزیادتی کرتے ہوئے یہ سمجھ رہے ہو کہ تم پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں، تم پر عذاب نازل کرنے والا کوئی نہیں، تم ظلم کر کے جہنم خرید رہے ہو اور صحابہؓ مار کھا کر، ظلم برداشت کر کے جنت خرید رہے ہیں، ایک دن تمہاری یہ قوت وطاقت اور اقتدار سب کچھ ختم ہونے والا ہے، تمہارے ظلم کرنے اور حق کو جھٹلانے کے پیچھے جہنم کی آگ ہے، صحابہؓ کے ظلم کے سہنے اور حق پر جمے رہنے کے پیچھے جنت کی نعمتیں ہیں، ان تکالیف کے پیچھے جنت کا عیش وآرام ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ قتل ہوتے وقت کہتے **''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔** ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا''۔

☆ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو ایمان والے غیر مسلم علاقوں میں رہیں اگر ان کو وہاں غیر مسلموں سے ظلم وفساد کا خطرہ ہو تو اپنے مالوں کو عیب دار بنا کر رکھیں، غیر ضروری شان و شوکت، روپیہ پیسہ، بلڈنگ، رہن سہن اور شادی بیاہ میں خوشحالی ظاہر نہ کریں، ورنہ غیر مسلم ان کے مال ودولت اور خوشحالی پر رال ٹپکائیں گے اور ان کا مال لوٹنے کی کوشش کریں گے۔

☆ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ نیک اور دیندار لوگوں کے ایمان واعمال کی برکتیں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی عطا فرماتا ہے اور اولاد کی بھی مدد کرتا ہے اور ان کو شر و فساد اور ظلم وزیادتی سے بچاتا ہے۔

☆ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ اعمال کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے، موجودہ زمانہ میں لوگ، وضو، غسل، طہارت، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی حکمتیں ومصالح معلوم کرنا چاہتے ہیں، یا سوّر، شراب، زنا، سود اور رشوت کے نقصانات اور حرام ہونے کی حکمتیں جاننا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن جن چیزوں کی حکمتیں بتلا دیں بس انہیں جان لیں ورنہ ہر عمل اور حالات کی حکمتیں جان کر عمل کرنے سے وہ عمل اللہ کی عبدیت و بندگی نہیں کہلائے گی، اس لئے کہ اس عمل کے فائدے اور کسی چیز کے نقصانات کو جان کر عمل کریں تو وہ عمل اللہ کے واسطے نہ رہے گا، اس عمل کی حکمت ومصلحت جانے بغیر صرف اللہ کے حکم پر اطاعت کرنا خالص اللہ کی عبدیت و بندگی کہلاتی ہے، مثلاً روزہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے انسان کے جسم کے فاسد مادّے اور چربی گلتی ہے، شراب سے انسان کا معدہ جل جاتا ہے، ایسی صورت میں جسم کی چربی گلانے اور معدے کو جلنے سے بچانے کے لئے روزہ رکھنا اور شراب نہ پینا یہ اللہ کی عبدیت و بندگی نہیں اور نہ یہ عمل اللہ کے واسطے ہوگا، خالص اللہ کے حکم پر اللہ کی محبت میں اللہ کے لئے روزہ رکھنا اور شراب سے پرہیز کرنا اللہ کی عبدیت و بندگی ہوگی، اگر کسی عمل کی حکمت ومصلحت معلوم بھی ہو جائے تو اس پر نظر رکھے بغیر اللہ کی اطاعت کرنا چاہئے، چاہے حکمت ومصلحت معلوم ہو یا نہ ہو، صرف اللہ کی محبت اور رضاء کے واسطے عمل کرنا عبدیت و بندگی ہے۔

دنیا پر حکومت کرنے والوں کے لئے سبق

ترجمہ:۔ ''اور اے محمدؐ! یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان سے کہو میں ان کا کچھ حال تمہیں سناتا ہوں''۔ (کہف:۸۳)

ذوالقرنین کا مختصر ذکر کر کے مشرکینِ مکہ کو شرم دلائی گئی:

اصحابِ کہف اور حضرت موسیٰؑ کی طرح ذوالقرنین کے مختصر تبصرے سے مشرکین مکہ کو غیرت اور شرم دلائی گئی، یہود جو اس کو اپنا خاص محسن بادشاہ سمجھتے ان کو بھی گویا ذوالقرنین کا خدا پر بھروسہ اور اس کی عبدیت و بندگی بتلائی گئی، مشرکین مکہ کو احساس دلایا گیا کہ وہ تم لوگوں کی طرح بیوقوف، کم ظرف اور نافرمان نہیں تھا، وہ ہمارا موحد، سچا، مؤمن، عادل، رعایا پرور اور ان پر رحم کرنے والا بندہ تھا، وہ آخرت کو ماننے والا اور انصاف کے اصولوں پر حکومت کرنے والا بادشاہ تھا، اس کو ہم نے مشرق سے مغرب تک حکومت عطا کی تھی، یہاں تک کہ جہاں سورج غروب ہوتا نظر آتا ہے وہاں تک حکومت کیا۔

اس کے باوجود اس میں رتی برابر غرور و تکبر اور گھمنڈ نہیں تھا، اس کو طاقت وقوت اتنی دی تھی کہ کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، تمہارا حال یہ ہے کہ تم کو عرب کے تھوڑے سے حصہ پر سرداری کیا ملی؟ سود و تجارت سے تھوڑا سا مال کیا ملا کہ بس اس غرور و تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہو کر تم سمجھ بیٹھے کہ ہم جو چاہے کر سکتے ہیں، ہم پر گرفت کرنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں، ذرا سی آزادی اور طاقت پر ہمارے پیغمبرؐ اور ان کے صحابہؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہو، اس کی فتوحات کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر فتح پایا جو اس کے آگے بے بس اور کمزور تھی، وہ چاہتا تو انہیں دعوت دینے سے پہلے ہی قتل کر سکتا تھا، مگر اس نے ان کو حق کی دعوت دی پھر جنہوں نے ایمان قبول کیا ان کی مدد کی اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کو سزاء دی، اس کی فتوحات میں ایک ایسی قوم بھی ملی جو وحشی تھی، دو پہاڑیوں کے درمیان رہتی تھی، مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کی

نسل تھی جو یاجوج ماجوج کہلاتی تھی، جنہیں نہ تہذیب معلوم تھی نہ ان کا کوئی تمدن تھا، وہ نہ لباس پہننا جانتے تھے نہ چھپر میں رہنا جانتے تھے اور نہ یہ کوئی زبان جانتے تھے، یہ لوگ اکثر و بیشتر اطراف کے علاقوں میں نکل کر لوٹ مار اور تباہی مچاتے تھے، ذوالقرنین سے امن پسند علاقوں کے شہریوں نے درخواست کی کہ ہمیں ان کے ظلم سے بچائیے، ذوالقرنین نے ان سے کوئی دولت لئے بغیر کہا کہ میں تمہارا بادشاہ ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ میں تم کو مصیبت سے بچاؤں، اپنا مال و دولت خرچ کر کے ان سے جسمانی محنت لی اور لوہے کی بڑی بڑی چادریں پگھلا کر دونوں پہاڑوں کے کھلے حصے میں ڈال دیا، پھر اس پر پگھلا ہوا تانبہ بھی ڈال دیا اور ایک بہت ہی مضبوط اور بڑی دیوار بنادیا تاکہ یاجوج ماجوج اپنے علاقہ سے باہر نہ آسکے، وہ بڑی سلطنت اور بڑے بڑے کام انجام دینے کے باوجود اللہ پر بھروسہ رکھتا تھا، دیوار تعمیر کر کے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے، جس کی وجہ سے میں یہ تمام کام انجام دے سکا، پھر کہا کہ جب میرے رب کا حکم ہوگا یہ دیوار زمین دوز ہوجائے گی، اس کا ضمیر زندہ تھا، ایک بندۂ مؤمن جس کا حال یہ تھا کہ مشرق، مغرب فتح کر لینے کے بعد وہ ہر کامیابی کو اللہ کا انعام اس کا فضل سمجھتا اور اپنا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھاتا، تم ہو کہ اللہ کے نمائندہ کا انکار کر رہے ہو اور مذاق اُڑا رہے ہو، حق قبول کرنے کے بجائے حق قبول کرنے والوں کو تکلیف دے رہے ہو، ذوالقرنین نام پڑنے کی کئی روایات ہیں، کسی نے کہا کہ ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشان تھے اس لئے ذوالقرنین کہا گیا، کسی نے کہا مشرق و مغرب کی حکمرانی ملی تھی اس لئے ذوالقرنین کہا گیا، کسی نے کہا کہ ان کی دو زلفیں تھیں اسی لئے ذوالقرنین کہا گیا، اس میں اختلاف ہے۔

ان کی زندگی سے مشرکین مکہ اور قیامت تک آنے والے حکمرانوں کو عبرت و نصیحت ہے کہ حکومت و طاقت ملنے کے بعد ظلم و زیادتی سے دور رہنا اور حکمرانی میں اللہ کے وفادار اور مطیع بن کر رہنا اور عوام کی ہر طرح سے مدد کرنا اور لوگوں کو راہِ حق دکھانا، بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دے کر اللہ کو نہ بھولنا، اللہ کا فضل اور انعام سمجھنا۔

حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ملنے والی عبرت ونصیحت

سورۂ بقرہ آیات: ۳۰۔تا۔۳۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا ترجمہ ہے:

''اور یاد کرو! تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے کہا: کیا آپ زمین میں ایسے کو خلیفہ بنارہے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے گا (انتظامات کو بگاڑے گا) خون بہائے گا؟ آپ کی حمد وثناء کے ساتھ آپ کی تسبیح وتقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں، اللہ نے فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ (اگر تمہارے خیال میں کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظامات میں خرابی کا ڈر ہے تو) ذرا مجھے ان کے نام بتلاؤ، فرشتوں نے عرض کیا: آپ کی ذات نقائص سے پاک ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں دیا ہے، حقیقت میں سب کچھ جاننے والے حکمت والے اور دانا آپ کے سوا کوئی نہیں، پھر اللہ نے آدمؑ سے کہا: تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ! پس جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان کے نام بتادئے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی ساری حقیقتیں جانتا ہوں! جو تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں اور جو چھپاتے ہو، پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے لئے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا، اُسے اپنی بڑائی کا گھمنڈ ہوا اور وہ نافرمانوں میں سے ہو گیا۔

پھر ہم نے آدمؑ سے کہا تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور جہاں چاہو اس میں سے فراخی سے کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ ظالموں میں شمار ہوں گے، پھر شیطان نے انہیں اس درخت کی طرف رغبت دلا کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹادیا اور انہیں (عزت والی) اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے، ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ!، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص مدت

تک زمین میں رہنا ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے، پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھ کر توبہ کی تو ان کے رب نے ان کی توبہ قبول فرمائی، یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

پھر فرمایا: اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا! کیونکہ جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم ہوگا، اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ جہنم کی آگ میں جانے والے ہیں اور ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے''۔

سورۂ بقرہ کی ان آیات میں جس کا ترجمہ اوپر بیان کیا گیا اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان کر رہا ہے، اس ترجمہ کو ذہن میں رکھو اور اس واقعہ سے ملنے والی نصیحتیں اور سبق کو سمجھ کر قرآن مجید سے ملنے والی عبرت ونصیحت کو ذہن نشین کرلو۔

انسان کی حیثیت زمین پر سردار اور خلیفۃ الارض کی ہے:

سب سے پہلے اللہ نے فرشتوں کے سامنے یہ بات بیان کی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، اس سے انسان کا مقام ومرتبہ یہ معلوم ہوا کہ اللہ نے اُسے زمین پر خلیفۃ الارض کی حیثیت سے بھیجا اور رکھا ہے، جس طرح انسانی حکومتوں میں ملک کے کسی حصہ پر گورنر اور وائسرائے کو مقرر کیا جاتا ہے اور وہ گورنر یا وائسرائے اپنی حکومت کا خود بھی وفادار رہتا ہے اور حکومت کے وزیراعظم یا بادشاہ کی غیر موجودگی میں بادشاہ کے احکام پر خود بھی عمل کرتا اور عوام کو بھی پابند بناتا ہے، وہ خود ہی بادشاہ بن جائے یا اپنی حکومت کی نہ مانے یا کسی دوسری حکومت سے ساز باز کرلے تو اُسے غدّار کہیں گے۔

بالکل اسی طرح ساری کائنات میں اصل حکومت واقتدار صرف اکیلے اللہ کا ہے اور کائنات کی تمام مخلوقات اللہ کی فرمانبردار ہیں، اللہ نے زمین کو امتحان وآزمائش کی جگہ بنایا اور وہ خود کسی کو نظر نہیں آتا اور انسان کو خلیفہ (نائب) کی حیثیت سے رکھا ہے تاکہ خلیفہ مختلف کاموں میں اللہ کے احکام کے تحت خود بھی اطاعت میں زندگی گذارے اور اللہ

کے تمام بندوں کو اللہ کے احکام کے تحت زندگی گذارنے کی تعلیم دے اور اللہ کے احکام زمین پر نافذ و جاری کرے۔

خلیفہ اصل مالک نہیں ہوتا، مالک کی غیر موجودگی میں اپنے اختیارات کو صحیح اور غلط استعمال کرسکتا ہے، وہ خلیفہ بن کر اپنے بنائے ہوئے احکام نافذ نہیں کرسکتا، اس کو جو اختیارات ملتے ہیں وہ اس کے ذاتی نہیں ہوتے بلکہ مالک کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں، اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مالک کی منشاء کے مطابق ملک کا انتظام کرے، وہ اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو مالک نہ مانے اور نہ اپنی حاکمیت چلائے، اگر وہ مالک کا انکار کرکے یا مالک کو برائے نام مان کر اپنی حاکمیت چلائے گا تو یہ غداری ہوگی، پیغمبر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد پیغمبر پر ایمان رکھنے والے خلیفۃ الرسول بن کر زمین کی خلافت کے فرائض انجام دیں گے اور اللہ کے احکام کو زندگی کے مختلف شعبوں میں نافذ کرکے زمین پر خود کی نہیں اللہ کی حکومت قائم کریں گے، خود اپنے جسم پر بھی اللہ کی حاکمیت قائم کریں گے اور دوسرے انسانوں کو اللہ کی اطاعت و بندگی سکھائیں گے، اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لئے زمین پر خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ کے فرمان پر فرشتوں نے اعتراض نہیں کیا؛ بلکہ عاجزانہ رائے پیش کی!

فرشتے جانتے تھے کہ پوری کائنات میں اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے، خلیفہ کا لفظ اقتدار کے لئے بولا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو اپنی سلطنت میں بااختیار خلیفہ بنارہے ہیں جبکہ ہم ہر لمحہ ہر گھڑی اللہ کے حکم پر دوڑتے اور ہر وقت اس کی تسبیح و پاکی اور بڑائی و حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور کائنات کے انتظامات اللہ کی مرضی پر بحسن و خوبی ادا کرتے ہیں، وہ جان گئے کہ خلیفہ کو اختیارات دئے جائیں گے اور وہ آزادی کی وجہ سے اپنے اختیارات کا غلط استعمال بھی کرسکتا ہے، اس میں شر اور خیر دونوں چیزیں ہوں گی، وہ قتل و خون اور غارت گری و فساد بھی کرسکتا ہے، اس سے زمین پر فساد برپا ہوگا اور زمین کے انتظامات بگڑ جائیں گے۔

اللہ نے فرمایا: میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے!

مطلب یہاں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ انسان کو شر اور خیر دونوں کی صلاحیتیں دے کر بھیج رہا تھا، جو انسان ایمان والے بن کر شر پر غلبہ پا کر خیر کی طرف چلیں گے اور اللہ کو دیکھے بغیر اللہ سے خوب محبت کریں گے اور من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی اپنی مرضی اور خواہش سے اختیار کریں گے، وہ فساد، ظلم اور نافرمانیوں کو ختم کرنے کے لئے خلیفۂ ارض بن کر اللہ کی صفت عدل اور صفت رحم، صفت توّاب، صفت ہادی، صفت ودود وغیرہ کی نقل کریں گے اور زمین پر اللہ کی بڑائی قائم کریں گے۔

اللہ نے حضرت آدمؑ کو دنیوی زندگی کی چیزوں کے نام سکھائے:

خلیفۃ الارض حضرت آدمؑ کو زمین پر جو جو کام اور ذمہ داریاں اور جن جن چیزوں کو استعمال کرنا تھا ان سب چیزوں کے نام اور خصوصیات بتلائے، ذرا غور کیجئے اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی پر کہ اس نے اگر حضرت آدمؑ کو چیزوں کا علم ان میں ودیعت نہ کرتا تو آدمؑ کی اولاد دنیا میں اپنی زندگی کا کوئی کاروبار ہی نہیں کر سکتی تھی، انسان دنیا میں جتنی چیزیں استعمال کرتا یا جن جن شعبوں کو اختیار کرتا یا جتنی چیزیں اطراف میں پاتا ہے کوئی چیز بھی بغیر نام کے نہیں ہے، دنیا میں اللہ نے انسانوں کو جتنی زبانیں بولنے کے قابل بنایا ان تمام چیزوں اور شعبوں کے نام ہر زبان میں ہیں اور انہی ناموں سے انسان اپنے مدارس، اسکول، کالج، دفاتر، کمپنی، فیاکٹری اور دُکان چلاتا ہے، مثلاً اگر ہم کسی کو آم کے درخت اور آم کے بارے میں تعلیم دینا چاہتے ہیں اور اس پھل کا نام آم نہ ہوتا تو سمجھانے کے لئے آم یا آم کا درخت لا کر سمجھانا پڑتا، یا کسی انسان کے بارے میں تذکرہ کرنا ہوتا اور اس کا نام نہ ہوتا تو ہم اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، انسان جتنے کام کرتا ہے ان کے بھی نام ہیں، اگر کسی کام کے بارے میں تذکرہ کرنا ہو تو اس کام کا نام نہ ہوتا تو کیا کہتے تھے، اللہ تعالیٰ علیم ہیں، وہ جو کچھ جانتے ہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا، اس نے نہ صرف ترکاریوں، غلّوں، اناج، میوؤں کے نام رکھے بلکہ ہر پھل پھول کے نام انسان کو علاحدہ

علاحدہ رکھنا سکھایا، گھروں میں استعمال ہونے والی تمام چیزوں کے نام رکھائے، انسانوں کے نام رکھوائے، جانوروں کے نام رکھوائے، پھر تمام چرندوں، پرندوں اور درندوں کے الگ الگ نام رکھوائے، کائنات کی تمام مخلوقات کے الگ الگ نام رکھے، یہاں تک کہ زمین کے حصوں کے نام بھی علاحدہ علاحدہ رکھنا سکھائے، ورنہ انسان اپنے مکان تک نہیں پہنچ سکتا تھا، گھروں کے نمبرات ڈالنے کی توفیق دی، گاڑیوں کو نمبرات ڈالنے کی توفیق دی، سواریوں میں گاڑیوں کے نام علاحدہ علاحدہ رکھنے کی توفیق دی، دنیا میں جتنا علم لکھا پڑھا جاتا ہے، وہ سب ناموں ہی کے ذریعہ سکھایا جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو علم نہ دیتا تو آدمؑ کی یہ اولاد دنیا میں گونگی ہوتی اور صرف اشاروں اور تصویروں کی محتاج ہوتی۔

چنانچہ اللہ نے فرشتوں اور حضرت آدمؑ دونوں کے سامنے چیزوں کے نام اور ان کی صفات بتلائی اور پھر فرشتوں سے بھی فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتلاؤ، فرشتوں کو زمین پر استعمال ہونے والی چیزوں کو نہ استعمال کرنا تھا اور نہ ان چیزوں کی ضرورت تھی، مثلاً نکاح، تجارت، نوکری، دعوت، انصاف، شرک، کفر، بے ایمانی، حکمرانی، آم، جام، چاول، گیہوں، ماں باپ، اولاد، شوہر، بیوی وغیرہ، اس لئے وہ یہ تمام چیزوں کے نام یاد بھی نہیں رکھ سکے اور نہ بتلا سکے۔

انسان کو جو فضیلت ملی وہ علم کی وجہ سے ملی:

فرشتوں اور انسانوں کے علم کا یہ حال ہے کہ انسان فرشتوں کے مقابلہ بہت زیادہ علم رکھتا ہے، جو فرشتے زمین کا انتظام کرتے ہیں وہ صرف زمین کی حد تک علم رکھتے ہیں، جو روح نکالنے والے ہیں وہ روح نکالنے ہی کا علم رکھتے ہیں، جو بارش کا انتظام کرتے ہیں وہ صرف بارش اور اس کے انتظام ہی کا علم رکھتے ہیں، جو موسموں پر مامور ہیں وہ موسموں کے بارے میں ہی جانتے ہیں، مگر اللہ نے انسانوں کو علم حیوانات، علم نباتات، علم جمادات، علم معدنیات، پھر فرشتوں، جنوں، انسانوں، آسمانوں، ستاروں،

سمندروں، دریاؤں، جنت و دوزخ، حشر کا میدان، حساب و کتاب، قبر، ثواب و عذاب وغیرہ وغیرہ سب کا علم عطا فرمایا اس کے ساتھ ساتھ اپنی معرفت والا علم بھی دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے تخلیق کے بعد فرشتے دیکھے، خدا کی حقیقت جانی، جنت دیکھی، پھر یہ سب علم نسل در نسل منتقل ہوتا چلا گیا، چنانچہ اللہ نے انسانوں کو ان آیات کے ذریعہ یہ احساس دلایا کہ انسان کو جو کچھ فضیلت ملی ہے وہ علم کی وجہ سے ملی، اس نے تمام مخلوقات میں امتیازی مقام علم کی بدولت حاصل کیا، گویا یہاں انسانوں اور خاص طور پر ایمان والوں کو یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ اگر دنیا میں اپنی فضیلت اور برتری اور بڑائی رکھنا چاہتے ہیں تو ہر قسم کا فائدہ دینے والا علم حاصل کریں اور ہر علم کو اللہ کی پہچان اور معرفت کے ساتھ سیکھیں اور تمام علوم میں سب سے بڑا علم وحی الٰہی ہے، جو اس آخری وحی سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مطابق زندگی گذارے گا وہی سب سے بڑا عالم ہوگا، آخرت میں بھی سب سے اونچا مقام پائے گا۔

دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور علم اس آخری وحی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے پاس دنیا کی طاقت وقوت یعنی ایٹمی طاقت، سائنس وٹکنالوجی کی طاقت نہیں ہے، وہ اس میدان میں دنیا سے ہزار سال پیچھے ہوگئے ہیں، مگر ان کے پاس قرآن مجید ایسا علم ہے جس سے وہ دنیا میں ہزار سال آگے ہیں، وہ دنیا میں اس علم کو لے کر مقابلہ کریں، دنیا کی دوسری قومیں اس علم کے سامنے گونگی ہیں، اگر وہ اس علم کو چھوڑ کر سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں مقابلہ کریں گے تو ہار جائیں گے، اس لئے وہ دنیا کے تمام انسانوں کو قرآن مجید کے علم کے میدان کی دعوت دیں، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے مقابلہ میں ممتاز مقام حاصل کیا، وہ بھی دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں ممتاز مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

اس رکوع سے ہمیں یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ موجودہ زمانہ میں ماڈرن ایجوکیشن کے ذریعہ ہم سائنس وٹکنالوجی کا علم حاصل کریں اور قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعہ آفاق وانفس

میں غور وفکر کر کے دنیا کے تمام انسانوں کو اللہ کی قدرت کی نشانیاں سمجھا کر ایمان کی دعوت دیں، اگر ہم ماڈرن ایجوکیشن حاصل نہیں کریں گے تو دنیا کی دوسری قوموں کے محتاج اور مجبور بن کر رہ جائیں گے، زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکیں گے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں بھی کھول کھول کر نہیں سمجھا سکیں گے۔

فرشتوں کو ذکر واذکار، تسبیح وحمد بیان کرنے پر فضیلت نہیں ملی:

جب حضرت آدمؑ نے چیزوں کے نام بتلا دئے تو فرشتوں نے اللہ سے علم کے نہ ہونے کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے علم دیا ہے، فرشتے اللہ کی پاکی، بڑائی اور حمد خوب بیان کرتے ہیں اور انہوں نے اس کا ذکر بھی کیا، مگر ان کو اپنی عبادت، ذکر واذکار یا کائنات کے حسن وخوبی سے انتظامات کی بنیاد پر فضیلت نہیں ملی، فضیلت علم والوں کو ملی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ میں ایک مرتبہ دو جماعتوں کو دیکھا، ایک اللہ کے ذکر وعبادت میں لگی ہوئی تھی، دوسری علم حاصل کرنے میں لگی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: دونوں جماعتیں بہتر ہیں مگر میں چونکہ معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اس لئے علم والوں کے ساتھ بیٹھوں گا۔

خلافتِ ارضی کے لئے صرف تسبیح، ذکر وحمد کافی نہیں علم بھی ضروری ہے:

دنیا کو اللہ نے امتحان وآزمائش کی جگہ بنایا ہے، اس لئے یہاں مختلف قسم کے حالات سے انسان گذرے گا، شیطان بہت سے انسانوں کو شر میں مبتلا کر کے ان سے شراب، زنا، ناچ، گانا، قتل، چوری، جوا، جھوٹ، جھوٹے مقدمے، یا پھر شرک وکفر کرائے گا، ان تمام بداعمالیوں کو دور کرنے خلیفۃ الارض کو حکمرانی، انصاف، لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، چوری ڈکیتی اور قاتلوں کو سزائیں دینا، گمراہ انسانوں کو توحید اور آخرت کی تعلیم دینا، اللہ کی پہچان کرانا، لوگوں کی ظلم وزیادتیوں کو برداشت کر کے اللہ کی عبدیت وبندگی پر صبر کرنا، ان تمام چیزوں کے لئے خلیفہ کو ذکر واذکار تسبیح اور حمد کے ساتھ ساتھ علم کا ہونا بھی ضروری ہے، فرشتے نہ نکاح کر سکتے، نہ بچے پیدا کر سکتے، نہ طلاق کے مسائل ان کے

ساتھ ہیں، نہ بھوک پیاس محسوس کرتے ہیں، نہ تجارت، نوکری اور حکومت کی ان کو ضرورت ہے، نہ وہ گناہ کرتے ہیں جو گناہ اور نیکی دونوں کا علم اور طاقت رکھتا ہے وہی خلافت کی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، اس لئے علم دینے سے پہلے زندگی کے ہر شعبہ کے ناموں سے واقفیت کرائی گئی۔

فرشتوں پر آدمؑ کی فضیلت ظاہر ہوتے ہی سب سے پہلے سلامی دلائی گئی:

اللہ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا: تم ان چیزوں کے نام بتلاؤ! حضرت آدمؑ نے ان چیزوں کے نام بتلادئے، اس طرح اللہ نے فرشتوں اور دوسری تمام مخلوقات پر حضرت آدمؑ کی فضیلت ظاہر فرمادی کہ دوسری مخلوقات حضرت آدمؑ سے علم میں کم تر ہیں، جب کسی کی فضیلت و برتری ظاہر ہوجاتی ہے تو اس کی بڑائی کا اعتراف دل سے کرنا ہے، تب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کے لئے جھک جائیں، سجدہ کریں، اس کا یہ مطلب تھا کہ ہم آدمؑ کو خلیفۃ الارض بنارہے ہیں، زمین پر جتنی مخلوقات حضرت آدمؑ کے ساتھ ہوں گی وہ سب مطیع و فرمانبردار بن جائیں، فرشتے بھی حضرت آدمؑ کی ضرورتوں کے لئے کام کرتے رہیں، جس طرح ایک انسان کو گورنر بنایا جاتا ہے تو اس علاقہ کی ہر چیز کو اس کے تحت کام کرنے کا حکم ہوتا ہے، فوج سے سلامی دلا کر فوج کو بھی اس کے تابع رکھا جاتا ہے، یہ سجدہ عبادت کا سجدہ نہیں، سجدۂ تعظیمی تھا، مگر رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں اس سے اللہ نے منع فرمادیا، اس سجدۂ تعظیمی کے ذریعہ اطاعت و فرمانبرداری کی تعلیم دی گئی، فرشتے دن رات اللہ کے حکم سے انسانوں کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں، نیک کاموں میں مدد کرتے ہی، ان کی جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں، ان کے لئے پانی، روشنی، ہوا اور غلہ وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، پیدائش اور موت میں مدد کرتے ہیں، نامۂ اعمال تیار کرتے ہیں۔

انسان کا مقام تمام مخلوقات میں سردار کا ہوگیا:

ان آیات سے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے انسانوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں میں اس کا مقام اشرف المخلوقات کا ہے، اُسے سردار بنایا گیا، وہ تمام

چیزوں سے افضل بنایا گیا، فرشتوں سے جو تمام مخلوقات میں اس وقت اعلیٰ مخلوق تھی، سلامی دلا کر گویا اس کی تعظیم کرائی گئی، اب اگر وہ کائنات میں سب سے افضل ہو کر خلیفۂ زمین ہو کر زمین کی مختلف چیزیں جو اس سے چھوٹی اور ادنیٰ ہیں، ان کے سامنے جھکے، ہاتھ پھیلائے اور ان سے مدد مانگے گا تو وہ گویا اپنی ہی توہین کرلے گا، اس کو تو مسجود ملائکہ کا مقام اور اعزاز دلایا گیا، جو بہت بڑا اعزاز ہے، اگر وہ اپنے اس اعزاز کو برقرار رکھنا چاہتا ہو تو صرف اللہ کے سامنے جھکے اور سر کو خم کرنے کا عادی بنائے، یہاں جھکنے سے مراد اللہ کی فرمانبرداری اور غلامی و بندگی بھی لی جاسکتی ہے۔

غرور، تکبر اور احساس برتری رکھنے والے اللہ کی نظر میں ذلیل ہوتے ہیں:

شیطان جو فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا روایات میں ہے کہ وہ فرشتوں کو تعلیم دیتا تھا ،اس نے حضرت آدمؑ کی تعظیم (فرمانبرداری) یعنی سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، یہ اس کا غرور، تکبر اور احساسِ برتری تھا جو اس کو ذلت میں مبتلا کر دیا اور وہ دربارِ الٰہی سے دھتکارا گیا، یہ صرف اس کی عملی نافرمانی ہی نہیں تھی بلکہ اللہ کے ساتھ اللہ کے حکم کی نافرمانی تھی، اللہ کے حکم کے آگے اس نے اپنی تاویل یہ پیش کی کہ وہ مٹی سے بنے ہیں اور میں آگ سے، آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں، عبدیت و بندگی نام ہے اللہ کے حکموں کو پورا کرنے کا، جب اللہ حکم دیں سجدہ کا تو سجدہ کریں، جب حکم دیں نماز کا تو نماز پڑھیں، اور جب نماز نہ پڑھنے کا حکم دیں تو نماز نہ پڑھیں، اسی طرح روزہ رکھنے کا حکم دیں تو رکھیں نہ رکھنے کا حکم دیں تو روزہ نہ رکھیں، یہی عبادت ہے، اس لئے جو حکم دیں اُسے پورا کرنا عبادت کہلاتا ہے، اللہ کے نزدیک کسی بھی مخلوق کا مقام نور، مٹی اور آگ سے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہے۔

جنت میں رکھ کر تربیت کرنا بھی مقصود تھا:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں بھیجنے کا منصوبہ بنایا تھا، اس سے پہلے انہیں جنت

میں تربیت کی خاطر بھی رکھا اور یہ احساس دلایا کہ اللہ کی نافرمانی گناہ ہے، جب وہ گناہ کر بیٹھیں گے تو جنت جیسے مقام سے محروم کردئے جائیں گے، جنت میں رہنے کے لئے پاک صاف اور معصوم ہونا ضروری ہے، گناہ کرنے والا جنت سے محروم رہے گا۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ جنت میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو شجر ممنوعہ رکھ کر ان کی تربیت کرنا مقصود تھا، چونکہ ان میں شر اور خیر کا مادّہ رکھا گیا تھا، دنیا میں بہت ساری چیزوں سے ان کو دور رکھنا اور بہت ساری چیزوں سے نفع اٹھانا یہ امتحان ان کے لئے تھا، اس کے لئے تربیت بھی ضروری تھی، ان کو یہ احساس پیدا کرنا تھا کہ انسان پر جب شر کی قوت غالب آتی ہے تو وہ اللہ سے غافل ہوکر نافرمانی کرجاتا ہے، چنانچہ ابلیس نے کسی طرح جنت میں داخل ہوکر حضرت آدمؑ اور حواؑ کو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا احساس دلاکر بھٹکایا اور وہ اللہ کے حکم کو بھول کر اس درخت کا پھل کھا بیٹھے، جیسے ہی درخت کا پھل کھایا ان کے جسم کا جنتی لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہوگئے، پھر درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیا، پھر ان کو اس پر بہت پشیمانی ہوئی، انہوں نے اللہ سے معافی مانگنے کے کلمات سیکھے، اللہ سے معافی مانگی اور توبہ کی، یہ دراصل انسانوں کے ماں باپ کی تربیت کی گئی، کہ وہ دنیا میں رہیں غلطی اور بھول اور شیطان کے بھٹکاوے میں آجائیں تو اللہ سے ناامید نہ ہوں اور فوراً توبہ کریں اور اپنے حقیقی دشمن کو اچھی طرح سمجھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، کس طرح گمراہ کرکے اللہ کی نافرمانی کرواتا ہے۔

حضرت آدمؑ کا زمین پر اترنا سزا نہیں امتحان کے لئے تھا:

عام طور پر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالینے سے سزا کے طور پر جنت سے نکالے گئے، ایسا ہرگز نہیں، چاہے وہ اگر ممنوعہ درخت کا پھل نہ بھی کھاتے تب بھی ایک نہ ایک دن وہ جنت سے زمین پر اتارے جاتے، اس لئے کہ اللہ نے سجدہ کرانے سے پہلے ہی فرشتوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہے، یہ منصوبہ پہلے ہی سے طے کردیا گیا تھا کہ زمین اولادِ آدمؑ کے لئے

امتحان کی جگہ بنائی گئی ہے اور انسان کو اس میں خلیفہ کی حیثیت سے بھیجا جا رہا ہے۔

شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور دنیا ان کا میدانِ جنگ ہے:

حضرت آدمؑ اور ابلیس کے اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا انسان اور شیطان کا میدان جنگ ہے، یہاں اس کو ۲۴ گھنٹے شیطان کا خطرہ لگا رہے گا، وہ ہر طرح سے جنت سے آدم کی اولاد کو دور رکھنے اور جنت کے راستے پر جانے نہیں دے گا، وہ آدم کی اولاد سے حسد و بغض رکھتا ہے، اللہ کے ہر حکم کے خلاف چلا کر دوزخی بنانا چاہتا ہے، شرک و کفر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، اس واقعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس لئے ایمان والے اپنے اس دشمن کو دشمن سمجھیں اور اس کے بہکانے سے ہوشیار رہیں، وہ اللہ سے اجازت لے کر آیا ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں کو ناشکرا ثابت کرے گا۔

گناہ ہوتے ہی فوراً توبہ کی جائے نہ کہ تاویلات پیش کی جائیں!

ایمان والوں کو یہ بھی تعلیم ملتی ہے کہ اگر ان سے نافرمانی اور گناہ ہوجائے تو وہ نہ اکڑیں اور نہ تاویلات پیش کریں اور نہ غرور و تکبر اور احساس برتری اختیار کر کے شیطان کی روش پر چلیں، ایمان والے نہ صرف اپنے کو بڑا، بہتر اور اعلیٰ سمجھنا شیطان کی صفات سمجھتے ہیں بلکہ غلطی پر عاجزی وانکساری سے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنے کے لئے اپنے باپ حضرت آدمؑ کی پیروی میں توبہ کرتے ہیں اور اللہ کو راضی کروالیتے ہیں، وہ گناہ کرنے کے باوجود توبہ نہ کر کے شیطان کی طرح زندگی نہیں گذارتے، اس لئے ایمان والوں کو اپنے باپ آدمؑ کی نقل کرنا ہوگا نہ کہ شیطان کی طرح نافرمان بنے رہنا ہے، دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو بدعات وخرافات کرتے ہیں اور شیطان ان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ نیکی کر رہے ہیں، لہٰذا توبہ کی ضرورت ہی نہیں، وہ بدعات سے بغیر توبہ کئے مرجاتے ہیں۔

حضرت آدمؑ کی غلطی کی وجہ سے ساری انسانیت گنہگار نہیں:

عیسائی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے غلطی ہوجانے کی وجہ سے ان کی تمام اولاد گنہگار رہے، یہ بالکل غلط بات ہے، حضرت آدمؑ کا گناہ ذاتی اور شخصی گناہ ولغزش تھی، جو

ان کی توبہ سے اللہ نے معاف فرمادی، اگر ماں باپ غلطی اور گناہ کریں تو تمام اولاد کو گنہگار نہیں مانا جاتا، یہ دنیا میں انسانوں کا بھی قانون ہے اور انسانی فطرت کی آواز بھی ہے، اس لئے انسان پیدائشی گنہگار نہیں، نہ حضرت آدمؑ کی لغزش سے ان کی اولاد گنہگار رہوئی۔

انسان تقدیر کا پابند ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے رب! مجھے دکھلا کہ آدمؑ کو جنہوں نے ہم کو اور اپنے نفس کو جنت سے نکالا، اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات حضرت آدمؑ سے کرائی، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: کیا آپ ہی آدم ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر پوچھا آپ وہی تو ہیں جن میں اللہ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھلائے اور فرشتوں کو حکم دیا تو وہ آپ کو سجدہ کئے، فرمایا: ہاں! پھر حضرت موسیٰؑ نے کہا: آپ کو کیا ہوا تھا جو آپ نے ہم کو اور اپنے نفس کو جنت سے نکالا؟ حضرت آدمؑ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ کہا: میں موسیٰ ہوں! پھر پوچھا: آپ وہی تو ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے آپ کو منتخب کیا تھا، آپ تو بنی اسرائیل کے وہی پیغمبر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام فرمایا، موسیٰؑ نے کہا: ہاں! پھر حضرت آدمؑ نے فرمایا: آیا آپ کو خبر نہیں کہ وہ امر (بات) میری پیدائش سے پہلے سے لکھا ہوا تھا؟ اور میں اس کام کے لئے کس طرح قابل ملامت قرار پاتا ہوں جبکہ یہ حکم الٰہی میں انجام پانا ضروری تھا، تب حضرت موسیٰؑ نے کہا: بے شک! تب حضرت آدمؑ نے فرمایا: پھر آپ مجھے اس چیز پر ملامت کرتے ہو جس پر تقدیر کا حکم مجھ سے پہلے ہی لکھا جا چکا تھا، یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: پھر غالب ہوگئے حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ پر (دوسرے لفظوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی جواب نہ بن پڑا)۔ (سنن ابی داؤد)

گناہ سوائے اللہ کے کوئی دوسرا معاف نہیں کرسکتا:

اللہ نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ جب ان سے گناہ ہوجائے تو وہ خود ذاتی اور

شخصی طور پر اپنے گناہ کی معافی اللہ سے مانگیں، اللہ کے علاوہ ان کے گناہ کوئی دوسرا معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، عیسائی لوگ گناہ ہوجانے کے بعد اللہ سے رجوع ہونے اور اپنے باپ آدمؑ کی نقل کرنے کے بجائے اپنے پادری کے پاس جاکر گناہ معاف کرنے کی درخواست کرتے ہیں، پادری صاحب ان سے ان کے گناہ کی مقدار کے برابر پیسہ لے کر گناہ معاف ہوجانے کا احساس دلاکر پاک کردیتے ہیں، یہ شیطان کا زبردست بہکاوا اور دھوکہ ہے، کوئی انسان نہ گناہ معاف کرسکتا ہے اور نہ گناہ کی سزاء پر پیسہ لے کر معافی دے سکتا ہے۔

گناہ ہونے پر سوائے اللہ کے کسی سے رجوع نہ ہونا:

آخر میں فرمایا گیا کہ میرے جو بھی احکام تمہارے پاس آئیں ان پر ایمان لاؤ اور اسی کے مطابق زندگی گذارو، ایسے لوگ خوف اور رنج سے دور رہیں گے، اور جو لوگ بھی ہمارے احکام کا انکار کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے، توبہ قبول کرنے کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو نہیں، گناہ ہونے پر اللہ سے رجوع ہوکر معافی مانگو۔

حضرت آدمؑ وحواؑ کا جنت میں رہنے کی وجہ سے انسان میں اعلیٰ تمدن پیدا ہوا:

اللہ نے حضرت آدمؑ وحواؑ کو جنت میں رکھا جس کی وجہ سے حضرت آدمؑ کی اولاد دنیا میں اعلیٰ تمدن اختیار کرکے زندگی گذارتی ہے، وہ ساری نعمتوں کی جھلک اور سایہ آدمؑ کی اولاد میں منتقل ہوتا گیا اور وہ دنیا میں عمدہ بنگلے، کوٹھیاں، مکانات بناتے، عمدہ فرنیچر گھروں میں رکھ کر آرام دہ صوفے اور کرسیوں پر بیٹھتے، پلنگ، گدوں اور گاؤ تکیوں کا استعمال، خوبصورت قالین، پردے، بیڈشیٹ استعمال کرتے ہیں، عمدہ کھانے، غذائیں و مشروبات، طرح طرح کا دیدہ زیب لباس، مہمان نوازی، گھروں میں ہریالی وچمن اور حوض بناتے اور پرندوں کو پالتے، ایک سے ایک سواریاں ایجاد کرتے رہتے ہیں، عمدہ سڑکیں بناتے، راستوں کو سجاتے، تیرنے کے لئے سویمنگ پول بناتے، کھانے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے اور نہانے کے کمرے علاحدہ علاحدہ بناتے، سیر وتفریح کے لئے باغوں میں

وقت گذارتے، پاکیزگی اور طہارت کو پسند کرتے، گندگی سے نفرت کرتے اور گھبراتے ہیں، خوشبو کا استعمال کرتے اور مسندیں لگاتے ہیں، بننے سنورنے کے لئے زیورات کا شوق رکھتے ہیں، دنیا کا ہر میوہ اور پھلوں کو بڑی پسند و چاہت سے کھاتے ہیں، غذاؤں میں میٹھا استعمال کرتے ہیں، ضیافت میں طرح طرح کی غذائیں بنانے کے شوقین ہیں، یہ سب آدمؑ کی اولاد نے اپنے ماں باپ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے جنت میں رہنے سے سیکھا جو جنت کی نعمتوں کی ادنیٰ جھلک ہے، جو ان کے ماں باپ سے ان میں منتقل ہوتی جارہی ہے، اسی طرح غلطی پر معافی مانگنا ان کی فطرت میں منتقل ہوا۔

صفاتِ الٰہی پر شاندار کتابیں

موجودہ زمانہ میں بچوں کو اللہ کی پہچان کرائے بغیر دینی تعلیم دی جارہی ہے، جس کی وجہ سے وہ حقیقی و شعوری ایمان سے خالی نظر آتے ہیں، صرف وضو، غسل، نماز اور روزہ کا پابند بنانے یا مسائل سکھانے سے حقیقی و شعوری ایمان پیدا نہیں ہوتا، ان کو بچپن سے کائنات میں باقاعدہ غور وفکر کرنے کا عادی بنا کر اللہ کی صفات سمجھاتے ہوئے اللہ کی پہچان کرائیے اور دینی تعلیم ویسے دیجئے جیسے نومسلموں کو دی جاتی ہے، گھروں میں اللہ کے صفاتی ناموں کو صرف برکت کیلئے طغروں میں لگا کر رکھنے سے اللہ کا تعارف مختصر حاصل ہوتا ہے، اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا اور اللہ کی صفات کو سمجھے بغیر اللہ کی پہچان حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اپنی نسلوں میں اسلام کو زندہ اور باقی رکھنا ہو تو ''**تعلیم الایمان**'' کے تمام حصے خود بھی پڑھئے اور بچوں کو پڑھایئے، سنایئے اور سمجھایئے! ورنہ آپ کی نسلوں سے اسلام نکل جائے گا۔

سورۂ توبہ میں مؤمن ومنافق کا فرق اور صحابہؓ کی توبہ کا حال

ایمان والے ہر حال میں سچ بولتے ہیں، جھوٹ سے دور رہتے ہیں:

ترجمہ:۔ ''اللہ نے مہربانی کی نبی پر اور ان مہاجرین وانصار پر جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے، (مگر جب انہوں نے اس کجی کی اتباع نہیں کی بلکہ نبی کا ساتھ دیا) تو اللہ نے ان پر رحم فرمایا، بیشک اللہ مسلمانوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اور ان تینوں آدمیوں پر بھی مہربانی کی جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا، جب زمین اپنی پوری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان پر اپنی جانیں بھی برباد ہونے لگیں اور انہیں یقین تھا کہ اللہ کے دامنِ رحمت کے سواء کوئی ان کے لئے جائے پناہ نہیں، پھر اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے''۔ (توبہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

☆ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان، بیہقی)

☆ یعنی انسان حقیقت میں اگر مؤمن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش ہی نہیں ہو سکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، اگر کسی میں یہ عادتیں موجود ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا ایمان حقیقت میں ابھی ایمان نہیں بنا۔

☆ تفسیر مظہری، معارف القرآن، قصص القرآن اور ریاض الصالحین وغیرہ میں غزوۂ تبوک پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: قرآن مجید میں غزوۂ تبوک کے موقع پر دس مسلمانوں کی توبہ کا واقعہ بیان کیا گیا جن میں سے سات لوگ جو حضرت

ابولبابہ بن عبدالمنذ رؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے غزوۂ میں شریک نہ ہونے کی نافرمانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس آتے ہی سخت مایوسی اور احساسِ نافرمانی پر خود ہی اپنے آپ کو اللہ سے معافی اور توبہ کے لئے ستون سے باندھ لیا تھا اور ایسے سخت گناہ کی معافی کے لئے بے چین تھے، ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کا حکم آنے تک نہ کھولنے کا اظہار کیا، ان کے علاوہ حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم یہ تینوں صحابہ بھی اپنی نفس کی کوتاہی وسستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان تینوں کی توبہ کا ذکر قرآن مجید میں کر کے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی تربیت کی گئی اور بتلایا گیا کہ ایمان والے چاہے کیسے ہی حالات ہوں ہر حال میں سچے ہوتے ہیں اور جھوٹ بولنے سے کیسے دور رہتے ہیں، ایمان والوں میں اور منافقین میں کیا فرق ہوتا ہے اس کردار کو کھلے طور پر سمجھایا گیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبداللہ بن کعب بن مالکؓ جو حضرت کعبؓ کے بیٹے تھے بیان کرتے ہیں، وہ اپنے والد حضرت کعبؓ کا واقعۂ غزوۂ تبوک اس طرح بیان کرتے تھے:

تبوک شام کا ایک مشہور شہر ہے، ۹ ؍ہجری کو ایک خبر ملی کہ ہرقل ایک طاقتور فوج کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے، اچانک اعلان ہوا کہ غزوۂ تبوک کی تیار کرو، اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے امداد مانگی، ہر صحابی یہاں تک کہ غریب سے غریب صحابی نے بھی دن بھر محنت کر کے اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے اپنا تعاون کیا، منافقین غریب صحابہؓ کے تعاون پر دکھاوا کرنے یا ہرقل کو شکست دینے کی سوچ کا مذاق اڑاتے تھے اور طعنہ دیتے تھے، حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سرخ دینار، ۳۰۰ ؍اونٹ اور پچاس گھوڑے جہاد کے لئے پیش کئے، حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال پیش کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تو اللہ پر توکل کر کے پوا رسرمایہ دے دیا، پوچھنے پر کہا: گھر پر بس اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ دیا ہوں، عورتوں نے زیورات اللہ کے راستہ میں پیش کیں، مسلمانوں کا ایک طاقتور لشکر جو تیس ہزار سے زائد مجاہدین پر مشتمل تھا اعلاءِ کلمۃ اللہ

کے جوش میں نکل پڑا، حالانکہ مسلمانوں کے لئے وہ وقت بہت مشکل کا تھا، حجاز میں قحط پڑا ہوتا تھا، نہر، تالاب خشک تھے، گرمی کی شدت بہت تھی، موسم بہار ہونے کی وجہ سے باغات میں کھجوریں پکنے کا وقت تھا، لوگ عام طور پر موسم بہار میں باغات میں خیمہ ڈال کر موسم بہار کا لطف لوٹنا چاہتے تھے۔

ویسے حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہا سوائے بدر اور غزوۂ تبوک کے، غزوۂ بدر کا واقعہ اتفاقاً پیش آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے سب کو اس میں شریک ہونے کا حکم بھی نہیں دیا تھا اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی ناراضگی کا اظہار کیا، اس لئے کہ پہلے سے جنگ کے ارادہ سے مسلمان فوج نہیں نکلی تھی، باقی دونوں صحابہ حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما بدری تھے، حضرت کعبؓ بیعت عقبہ جو رات کے وقت مکہ کے منیٰ کی پہاڑیوں میں ہوئی تھی شریک ہو کر اسلام کی حمایت وحفاظت کا عہد کیا تھا، وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے بیعت عقبہ کی حاضری غزوہ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ محبوب ہے، غزوۂ تبوک کے وقت میرے پاس مالی خوشحالی تھی اور دو اونٹ تھے، محض ان کے نفس نے انہیں اس احساس میں مبتلا کیا کہ وہ اسلامی فوج میں تیز رفتار سواری کے ساتھ دو چار دن بعد بھی آسانی سے جا کر مل سکتے ہیں، مگر دن اسی سوچ میں یونہی گذر گئے، ہر روز وہ ارادہ کرتے کہ آج جہاد کی تیاری کروں گا، مگر نفس کی سستی وکاہلی اور سواری کے موجود ہونے کا احساس ان کے ارادہ کو ٹالتا رہا کہ میں کبھی بھی قافلہ میں مل سکتا ہوں، بس دن یوں ہی گذر گئے، جب وہ گھر سے باہر نکلتے تو صحابہؓ میں معذور واپاہج لوگ یا منافقوں کے سواء کوئی دوسرا نظر نہیں آتا تھا، لوگوں کی کثیر تعداد ہونے کی وجہ سے راستہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعبؓ کے بارے میں دریافت نہیں کیا، جب تبوک پہنچے تو دریافت کیا: کعب بن مالکؓ کہاں ہیں؟

بنو سلمہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! ان کا مال اور خوشحالی نے ان کو جہاد سے روک دیا، حضرت معاذ بن جبلؓ نے فوراً کہا کہ تم نے ان کے تعلق سے بُری

بات کہی ہے، یارسول اللہ! بخدا میں نے ان میں خیر کے سواء کچھ نہیں پایا، یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

☆ دوسرے صحابی حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ ہوا کہ ان کے خاندان والے عرصہ سے دور تھے، اسی موقع پر وہ سب جمع ہو گئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہوں، اسی نفس کی سستی وخواہش پر وہ رکے رہے۔

☆ تیسرے صحابی حضرت مرارہ بن ربیع ابو حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان کا ایک باغ تھا، جس کے پھل اس وقت پکنے کے قریب تھے تو ان کے نفس نے ان کو احساس دلایا کہ تم نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد میں شریک نہ ہو سکے تو کوئی جرم نہیں۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ جب مجھ کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی، میرے دل میں یہ خیالات اور وساوس پیدا ہونے لگے کہ میں کوئی عذر پیش کردوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے بچ جاؤں، مگر جیسے ہی معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ تشریف لا چکے ہیں یہ تمام شیطانی خیالات ختم ہو گئے اور میں سمجھ گیا کہ جھوٹ بول کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے بچ نہیں سکتا، جھوٹ بول کر میں ذلیل ہو جاؤں گا اور رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں گر جاؤں گا، اس لئے سچ بات کہنے ہی میں میری نجات ہوگی، چنانچہ میں نے بالکل سچ سچ بولنے کا پختہ عزم کرلیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی عادت کے مطابق سب سے پہلے مسجد تشریف لے گئے، دو رکعت نماز ادا کی، پھر مسجد ہی میں تشریف فرما ہوئے، منافقین جو غزوہ میں نہیں گئے تھے، آ آ کر جھوٹے بہانے اور مختلف عذر پیش کر کے جھوٹی قسمیں کھائیں، آپؐ نے منافقین کی باتیں سنیں ان کی باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کردیا اور ظاہری قسموں کو قبول کیا، ان کے لئے دعاءِ مغفرت بھی فرمائی۔

حضرت کعبؓ بھی آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ کر ایسے مسکرائے جیسے کوئی ناراضگی سے مسکراتا ہے، بعض روایات میں ہے کہ اپنا رخ پھیر لیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم! میں کوئی نفاق میں مبتلا نہیں ہوا اور نہ دین کے تعلق سے کسی شک وشبہ میں مبتلا ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر جہاد میں کیوں نہ گئے؟ کیا تمہارے پاس سواری نہیں تھی؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں آپؐ کے سواء دنیا کے کسی دوسرے انسان کے سامنے بیٹھتا تو مجھے پورا یقین ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، میں اس میں مہارت رکھتا ہوں، لیکن قسم ہے اللہ کی! کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپؐ سے کوئی جھوٹی بات کہی تو آپؐ وقتی طور پر راضی ہو جائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ حقیقت حال سے آپؐ کو واقف کروا دے گا اور آپؐ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے، اور سچ بات بتانے پر آپؐ اگر مجھ سے ناراض ہو جائیں گے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما کر آپؐ کو راضی کر لے گا، سچ سچ بات یہ ہے کہ میرا کوئی عذر نہیں تھا، میں مالی اور جسمانی طور پر خوشحال اور صحتمند تھا، صرف میرے نفس اور سستی و کاہلی نے مجھے روکے رکھا، اسی طرح حضرت مرارہ اور حضرت ہلال رضی اللہ عنہما نے بھی سچ سچ بات بیان کر دی، منافقوں کی طرح انہوں نے جھوٹ بول کر چھٹکارا حاصل نہیں کیا، تینوں پکے ایمان والے تھے اور جانتے تھے کہ اگر جھوٹ بولا جائے تو اللہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارا حال بتلا دے گا اور ہم ذلیل ہو جائیں گے، لوگوں نے حضرت کعبؓ سے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا، اس وقت کوئی بہانہ بنا کر عذر پیش کر دو اور بعد میں رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروا کر اللہ سے گناہ کی معافی کروانے کی دعاء کروالو، عام طور پر جب مسلمان اسلام پر مضبوط ٹھہر جاتا ہے اور شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتا تو شیطان دوسرے لوگوں کے ذریعہ اس طرح کی تاویلات ذہن میں ڈالتا ہے، مگر حضرت کعبؓ نے سختی سے سچائی پر قائم رہنے کا مضبوط ارادہ کر لیا اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک گناہ پہلے ہی جہاد میں شریک نہ ہو کر کر چکا

ہوں، اب اس کو نبھانے کے لئے جھوٹ بول کر دوسرا گناہ نہیں کروں گا، پھر دریافت کیا کہ میرے علاوہ کوئی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے، معلوم ہوا کہ دو حضرات ہیں جنہوں نے انہی کی طرح سچ سچ بات بتلائی اور جھوٹ کو اختیار نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کی بات سن کر فرمایا: اچھا تم لوگ جاؤ، اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو، پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کو ان تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرما دیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سب صحابہؓ نے ان تینوں سے رخ پھیر لیا، وہ دونوں صحابہ ضعیف تھے، روتے اور دعائیں کرتے ہوئے گھر میں بند ہو گئے، میں صحتمند جوان تھا، جب گھر سے باہر نکلتا بازار جاتا لوگوں کے پاس سے گذرتا تو کوئی مجھ سے نہ کلام کرتا، نہ سلام کرتا اور نہ سلام کا جواب دیتے ہوئے سنائی دیتا، خود حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہماری دنیا ہی بالکل بدل گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب لوگ اجنبی ہیں، ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں، مجھے سب سے بڑی فکر یہ ہو گئی کہ اگر اس حالت میں موت آجائے تو رسول اللہ ﷺ میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو میں زندگی بھر اسی طرح تمام لوگوں میں ذلت کے ساتھ پھرتا رہوں گا، اس وجہ سے میرے لئے دنیا اجنبی اور ویران نظر آنے لگی، میں نماز میں سب صحابہؓ کے ساتھ شریک ہوتا اور نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا اور آپ کو سلام کرتا تو یہ دیکھتا کہ آپ ؐ کے لب مبارک سلام کا جواب دینے کے لئے حرکت کرتے ہیں یا نہیں، جب میں آپ ؐ کے قریب ہی نماز ادا کرتا تو نظر چُرا کر آپ کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو آپ ؐ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو رخ پھیر لیتے ہیں۔

☆ ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی قتادہؓ جو میرے بہت اچھے دوست بھی تھے ان کے باغ میں دیوار پھاند کر داخل ہوا اور ان کو سلام کیا، خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے ان سے کہا: قتادہؓ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور رسول ؐ

سے محبت رکھتا ہوں، اس پر قتادہؓ نے خاموشی اختیار کی، کوئی جواب نہیں دیا، جب میں تیسری بار یا چوتھی بار پوچھا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسولؐ، میں روتے ہوئے واپس ہوگیا، اسی زمانہ میں مدینہ کے بازار میں ملک شام کا ایک شخص غلہ فروخت کرنے شام سے مدینہ آیا تھا، اس نے لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا، لوگوں نے مجھے دِکھا کر میری طرف اشارہ کردیا، اس نے مجھے شاہِ غسّان کا ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا دیا، جس کا مضمون یہ تھا:

"مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبیؐ نے آپ سے بیوفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے، تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آجاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

انہوں نے محسوس کیا کہ یہ ایک دوسری آزمائش ہے کہ اہل کفر مجھ کو اپنی طرف مل جانے کی دعوت دے رہے ہیں، پھر وہ آگے بڑھے اور ایک دُکان میں تنور لگا ہوا تھا اس میں وہ خط جھونک دیا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ چالیس راتیں گذر جانے کے بعد ایک قاصد خزیمہ بن ثابتؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ: تم اپنی بیوی سے بھی علاحدگی اختیار کرلو، میں نے دریافت کیا: کیا طلاق دیدوں یا کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: عملاً ان سے دور رہنے کا حکم ہے قریب نہیں جانا ہے، اسی وقت میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک اللہ کا کوئی حکم نہ آئے، یہی حکم ان دونوں صحابیوں کو بھی دیا گیا۔

☆ حضرت ہلال بن امیہؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت عاصمؓ یہ حکم سن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ہلال ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں خدمت کرتی رہوں؟ فرمایا: خدمت کرنے کی ممانعت نہیں، البتہ وہ تمہارے پاس نہ آئیں، اس پر بیوی نے کہا: وہ تو بوڑھاپے کی وجہ سے ایسے ہوگئے کہ ان میں کوئی حرکت ہی نہیں اور اس واقعہ کے بعد وہ رات دن روتے

ہوئے گذار رہے ہیں، حضرت کعبؓ کو کسی نے مشورہ دیا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے بیوی کی خدمت کی اجازت لے لو، مگر حضرت کعبؓ چونکہ جوان آدمی تھے، بیوی کو ساتھ رکھنا اچھا نہیں سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کیا جواب دیں گے یہ سوچ کر خاموش رہ گئے۔

پچاس دن گذرنے کے بعد حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کے بعد جب اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو چکی تھی، اچانک میں نے پہاڑ کے اوپر سے کسی چلّانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: ''اے کعبؓ بن مالک بشارت ہو! میں یہ آواز سن کر فوراً سجدہ میں گر گیا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ اب معافی مل گئی ہے''، میری توبہ ایک تہائی رات گذرنے کے بعد نازل ہوئی، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں، انہوں نے فرمایا: اگر اجازت ہو تو کعب بن مالکؓ کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا، رات کی نیند مشکل ہو جائے گی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرامؓ کو ہم تینوں کی توبہ قبول ہونے کی خبر دی، ہر طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارکباد دینے دوڑ پڑے، بیوی کی طرف سے بھی مبارکباد ملی۔

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب میں گھر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لئے آرہے تھے، مسجد نبوی میں سب سے پہلے مجھے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے، مجھ سے مصافحہ کر کے مبارکباد دی، جب میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: اے کعبؓ بشارت ہو تمہیں! مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لیکر آج تک سب سے بہتر ہے، پھر میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! یہ معافی آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ تو آپؐ نے فرمایا: میری جانب سے نہیں اللہ کی جانب سے ہے، تم نے سچ سچ کہا تو اللہ نے تمہاری

سچائی کو ظاہر کر دیا، پھر حضرت کعبؓ نے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ کے راستہ میں صدقہ کرنے کی اجازت مانگی، تو آپؐ نے فرمایا: سارا مال نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے لحاظ سے مال رکھ کر کچھ حصہ صدقہ کر دو یہ بہتر ہے، اسی طرح حضرت مرارہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما نے بھی کچھ مال صدقہ کیا، حضرت کعبؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! اللہ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی اس لئے عہد کرتا ہوں انشاء اللہ جب تک زندہ رہوں گا کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا''۔

آپؓ فرماتے رہتے تھے کہ اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولا اور جھوٹ سے پرہیز کیا، اگر جھوٹ بولا ہوتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانے والے برباد ہوئے۔

اس واقعہ میں شدت کے ساتھ تاکید کی گئی کہ آئندہ کوئی دوسرا شخص اسلامی احکام اور رسول اللہ ﷺ کے حکم میں سستی و کاہلی نہ دکھائیں، اسلام کے لئے جان و مال، وقت اور محنت صرف کرنے سے جی چرانا گویا ایمان کے معتبر نہ ہونے کا ثبوت ہوگا۔

سورۂ توبہ کے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر ہر مسلمان اپنی زندگی کا جائزہ لے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے زندگی کے بہت سارے کاموں میں جھوٹ، حیلے بہانے اور جھوٹے عذر پیش کر کے دن بھر میں کتنے جھوٹ بولتے ہیں اور مختلف کاموں کی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تربیت کے نہ ہونے اور ایمان کے مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے تجارت، معاملات، وعدہ کی پابندی، قرض کی ادائیگی، جائیداد اور آپسی دشمنی اور میاں بیوی کے آپسی اختلافات، ڈوری کیس کے جھوٹے مقدمات ڈال کر جھوٹ کا سہارا لے کر اسلام کی کھلے عام خلاف ورزی کر رہی ہے اور منافقانہ روش پر چل رہی ہے، ذرا سوچئے کہ کیا یہ حالت مسلمان جیسی ہے یا منافق جیسی۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑ لو اور ہمیشہ سچ ہی بولو! کیونکہ سچ بولنا

نیکی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے پاس صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو! کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس کذابین (جھوٹوں) میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ بولنا منافق کی علامت اور صفت ہے، انسان کو ایک جھوٹ چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اوپر بیان کردہ حدیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت سے انسان گناہ کی طرف بڑھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور سچ بولنے سے نیکی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی پر گواہی یا کسی اور وجہ سے قسم کھانا ضروری ہو جائے اور وہ جھوٹی قسم کھائے تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے گا۔ (ابوداؤد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مار لے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (ابوداؤد)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر دبا لیا تو اللہ نے ایسے آدمی کے لئے دوزخ واجب کر دی اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے، کسی نے پوچھا: اگر معمولی چیز ہو تو؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں اگرچہ کے جنگلی درخت کی ٹہنی ہی ہو۔ (مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے دور چلے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

☆ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کو شرک باللہ کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے اور یہ بات تین مرتبہ دہرائی، سورۂ حج میں بھی اللہ نے

جھوٹی گواہی کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی کو گناہ کبیرہ بتلایا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا مؤمن جھوٹا اور بخیل ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں! (مشکوٰۃ)

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے ماں باپ کو بھی اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو جھوٹ بول کر اپنے پاس بلانے یا اپنے کام کروانے سے بھی منع فرمایا، ان کو کسی چیز کے دینے کا وعدہ کر کے نہ دینا بھی جھوٹ فرمایا ہے، اسی طرح کے اعمال کو جھوٹ کہا، قرآن مجید میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت کہہ کر **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** فرمایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، (ابوداؤد) اس سے ہنسنے والوں میں جھوٹ بولنے کا مزاج اور ترغیب پیدا ہوتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے جو کچھ سنے اُسے بغیر تحقیق کے بیان کرنے کو جھوٹ فرمایا۔

موجودہ زمانہ میں اکثر بے شعور مسلمان غیر مسلموں پر یہ اثر چھوڑ رہے ہیں کہ وہ کسی کام کے نہ کرنے یا ٹالنے یا وعدہ پورا نہ کرنے کے لئے انشاء اللہ کہتے ہیں اور ان کے انشاء اللہ کہنے پر غیر مسلم یہ تاثر لیتے ہیں کہ یہ انشاء اللہ کے ذریعہ جھوٹ بول رہا ہے، جھوٹ بولنے کے لئے انشاء اللہ کہہ رہا ہے، یہ بھی اللہ کے حکم کی زبردست خلاف ورزی ہے، کسی کام کو نہ کرنے یا وعدہ پورا نہ کرنے کے ارادہ سے انشاء اللہ کہا جائے تو اس سے اسلام کا امیج خراب ہو رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے دو لڑنے اور دشمنی رکھنے والوں میں صلح کرانے یا جنگ کو روکنے اور ختم کرنے یا جنگ کی حکمت عملی طے کرنے میں جھوٹ بولنا گناہ نہیں بتلایا۔

شادی بیاہ کے موقع پر رقعہ میں نکاح کا ایک وقت لکھ کر دیر سے آنا اور اس وقت پر نکاح نہ کرنا بھی جھوٹ میں شمار ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ توبہ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کر

ہر ایمان والے کو جھوٹ سے پوری طرح سے بچتے ہوئے زندگی گذارنا ضروری ہے، زندگی میں کبھی اگر ناخوشگوار حالات آجائیں چاہے سچ بولنے سے کتنی ہی تکلیف اور مصیبت و پریشانی ہوتی ہو اللہ کے حکم پر اللہ کے واسطے سچ بولا جائے تاکہ دنیا کی دوسری قوموں کو یہ احساس اور یقین ہو جائے کہ مسلمان کبھی جھوٹ نہیں بولتا، ایک روایت میں ہے کہ مؤمن کے قلب میں ایمان اور جھوٹ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، منافق اسی لئے جھوٹا ہوتا ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے، مگر انسان پر یہ کیفیت سچا بننے کی اسی وقت پیدا ہوگی جس طرح حضرت کعب بن مالکؓ کو تھی کہ وہ جھوٹ بول کر انسانوں کو تو دھوکہ دے سکتے تھے مگر اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا، وہ جانتے تھے کہ اللہ سمیع، بصیر اور علیم ہے، اگر کوئی انسان جھوٹ بولے تو گویا وہ اللہ کو سمیع، بصیر و علیم نہیں مان رہا ہے، اسی لئے جھوٹ بولنے میں جسارت کر رہا ہے، ساری تکالیف اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کے باوجود تینوں صحابہؓ نے تکلیف جھیلی، بے عزتی برداشت کی مگر جھوٹ نہیں بولا اور سچائی پر جمے رہے۔

☆ اس واقعہ میں یہ سبق بھی ہے کہ دنیا کی زندگی میں اگر مصیبت اور پریشانی آجائے تو مؤمن اسلام کی چوکھٹ سے نہ ہٹے اور اللہ و رسولؐ کے ساتھ ہی وفاداری کرے۔

☆ بعض علاقوں میں غیر مسلم خاص طور پر یہود و نصاریٰ یا قادیانی، غریب و پریشان حال مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کے لئے مالی تعاون، نوکری، قیام کے لئے زمین و مکان اور بچوں کی تعلیم کے لئے مفت تعلیمی ادارے اور مفت علاج کا پیشکش کرتے ہیں، جس طرح حضرت کعبؓ کو غسان کے بادشاہ نے کیا تھا، اکثر بے شعور مسلمان ان کی لالچ اور دنیا کے وقتی آرام کی خاطر اسلام چھوڑ کر ان میں مل جاتے ہیں، اس واقعہ میں حضرت کعبؓ کی طرح مضبوطی کے ساتھ اسلام پر جمے رہنے کا سبق ملتا ہے، چاہے خوشحالی ہو کہ پریشان حالی ہر حال میں اسلام پر زندگی گذارنا اصل کامیابی ہے، دنیا کی تکلیف و مصیبت صرف چند روزہ ہوتی ہے، جس طرح ان تینوں صحابہؓ پر ۵۰/ دنوں تک تکلیف رہی، تفسیر مظہری میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں ۵۰/ دن کا وقفہ لگا تھا، چنانچہ ان کی توبہ بھی

۵۰/دن کے بعد قبول ہوئی۔

☆ مؤمن سے گناہ ونافرمانی ہوجائے تو توبہ کے ساتھ ساتھ وہ کچھ مال اللہ کے راستہ میں صدقہ وخیرات کرے اور توبہ کرلینے کے بعد ایک مسلمان کا ویسا ہی احترام وعزت کرے جیسے پہلے کیا جاتا تھا، ان کو ہمیشہ گنہگار نہ سمجھیں۔

☆ اس واقعہ میں مؤمن اور منافق کے کردار کو کھلے طور پر سمجھا کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو جھوٹ سے بچنے اور سچائی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ دنیا کے عیش وآرام اور مال یا بیکار مصروفیات اور سستی وکاہلی کی وجہ سے دین کی اشاعت وحفاظت کو دوسرے درجہ میں نہ رکھیں؛ بلکہ دین کی حفاظت کو پہلا درجہ دیں۔

☆ بہت سے مسلمان دنیا کے کاروبار اور ذاتی مصروفیات کی وجہ سے دینی کاموں میں حصہ لینے وقت فارغ نہیں کرتے، بہانے کرتے رہتے ہیں، ان کو بھی اس میں نصیحت ہے۔

☆ منافقانہ مزاج رکھنے والے قرض کے واپس کرنے میں کثرت سے جھوٹ بولا کرتے ہیں۔

☆ دھوکہ دینے، رشوت لینے اور مال فروخت کرنے میں ایسے لوگ کثرت سے جھوٹ بولتے ہیں۔

☆ یہ لوگ جھوٹے مقدمات کے ذریعہ دنیا کا مال لوٹتے اور جان بوجھ کر غیر مسلموں کی عدالت میں دنیا کے مال ودولت کی خاطر جھوٹے مقدمات ڈالتے ہیں۔

☆ اسی طرح یہ لوگ میاں بیوی کے درمیان اختلافات میں کثرت سے جھوٹ بول کر میاں اور بیوی ایک دوسرے کو ذلیل اور بےعزت کرتے ہیں۔

☆ پھر طلاق کے بعد شوہر پر جھوٹا ڈوری کیس ڈال کر دولت اصول کرنے اور بدلہ لینے جھوٹا مقدمہ ڈالتے اور اسلام کے خلاف چلتے ہیں اور اسلام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت حاطبؓ کے واقعہ سے نصیحت

مسلمان مسلم معاشرہ میں رہ کر دشمنوں کے لئے مخبری کا کام نہ کریں:

تاریخ یہ بتلاتی ہے ہر زمانہ میں مسلم معاشرہ اور مسلم حکومتوں میں منافق ساتھ رہے اور وہ اسلام و مسلمانوں کے راز کو غیر مسلموں کے مخبر بن کر نقصان پہنچائے، چنانچہ آج بھی اکثر بے شعور مسلمان اپنے مفاد کی خاطر عہدہ، کرسی اور مال و دولت کی خاطر غیر مسلموں کے مخبر بن کر منافقوں کا رول ادا کرتے ہیں اور اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی خفیہ باتوں کو دنیا کی لالچ میں غیر مسلموں تک ہر روز پہنچاتے ہیں، سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ حضرت حاطبؓ سے ہونے والی خطرناک غلطی پر تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ خاص طور پر ان غیر مسلموں سے جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی محنت کر رہے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں ان سے ہرگز دوستی نہ کریں اور مسلمانوں کی راز کی باتیں ان کے مخبر بن کر نہ پہنچائیں، جو یہ کام کرے گا وہ ایمان سے دور ہو جائے گا اور منافق کہلائے گا۔

سورۂ ممتحنہ آیت ۱ تا ۳ میں ارشادِ باری ہے: "اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی کا؛ حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں، وہ رسولؐ کو اور خود تم کو جلاوطن کر چکے ہیں اس قصور میں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر وطن چھوڑ کر گھروں سے نکلے ہو تو تم چھپا کر خفیہ طور پر انہیں دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر یا ظاہر کر کے کرتے ہو، میں ہر چیز کو خوب جانتا ہوں، جو شخص بھی تم میں سے ایسا کام کرے گا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا، وہ اگر تمہیں پالیں تو تمہارے دشمن بن جائیں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں تکلیف دیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر بن جاؤ، قیامت کے دن تمہارے رشتے ناتے کچھ کام نہ آئیں گے اور نہ تمہاری اولاد، اس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے"۔

یہ تمام آیات حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کی غلطی پر نازل ہوئیں، وہ بدری صحابی تھے اور پکے مسلمان تھے، ان میں کوئی نفاق اور اسلام سے کوئی شک پیدا نہیں ہوا تھا، وہ یمن سے آکر مکہ میں حضرت عثمانؓ کے حلیف بن کر رہے اور ایمان قبول کر کے مدینہ ہجرت کر گئے، ان کے ساتھ ان کے اہل وعیال میں والدہ اور بھائی بھی تھے جو مکہ ہی میں رہ گئے، وہ صرف اپنے اہل وعیال پر ظلم نہ ہونے اور بچاؤ کے خیال سے مشرکین مکہ کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے تھے، اسلئے وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک جنگی راز کو مشرکین تک بھیج کر اپنے خاندان کو مصیبت سے بچانا چاہتے تھے، ان کا مقصد مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرنا نہیں تھا، شیطان نے ان کو بہکا کر یہ غلطی کروایا کہ انہوں نے سوچا رسول اللہ ﷺ تو اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور اللہ کی مدد آپؐ کے ساتھ ہے، کوئی بھی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، ہر حال میں کامیابی تو مسلمانوں ہی کی ہوگی، اگر میں یہ راز مشرکینِ مکہ کو دیدوں تو کوئی فرق پڑنے والا نہیں، مشرکین کم سے کم میرے اہل وعیال پر ظلم و زیادتی تو نہیں کریں گے اور ان کی حفاظت ہو جائے گی۔

اس کی تفصیل حدیث کی کتابوں بخاری، مسلم، مسند امام احمد اور محمد بن اسحاق کی روایات میں یوں آئی ہے، صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صلح کے معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی تو مشرکین مکہ کو یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ معاہدہ کر کے نقصان میں ہیں، ان کی ضد اور ہٹ دھرمی سے پورا پورا فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اور اسلام امن کے ساتھ پھیلتا جا رہا ہے، اس لئے مکہ والوں نے صلح کو منسوخ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اب خاموشی کے ساتھ مکہ فتح کر لیا جائے، اندر اندر تیاری شروع کر دی، سوائے چند صحابہؓ کے کسی کو اس کی خبر نہ تھی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ بغیر لڑائی اور خون خرابے کے مکہ فتح ہو جائے اور کعبۃ اللہ کا ادب واحترام بھی ملحوظ و باقی رہے۔

مدینہ طیبہ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو بھی یہ جنگی راز معلوم تھا، ان کو خطرہ محسوس ہوا کہ مہاجرین کے بہت سے رشتہ دار قریشی ہیں، ان کے قبیلے کے لوگ اپنے اپنے لوگوں کی

حفاظت کرلیں گے، میرا کوئی قبیلہ مکہ میں نہیں، شاید میرے اہل وعیال پر مکہ والے ظلم وزیادتی کریں گے، اسی زمانہ میں ایک مکہ کی گانا گانے والی عورت جس کا نام سارہ تھا مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ سے امداد مانگی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تم ہجرت کرکے آئی ہو اور اسلام قبول کرچکی ہو؟ اس نے کہا: نہیں! اس نے کہا: آپ کا خاندان اعلیٰ خاندان تھا، جنگ بدر میں بڑے بڑے سردار مارے گئے، اب وہاں میرا گذارا مشکل ہوگیا، کوئی مدد کرنے والا نہیں، یہاں آپ لوگوں سے مدد مانگنے آئی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکہ کے وہ نوجوان کہاں ہیں جو تیرے اوپر پیسوں کی بارش کرتے تھے؟ اس نے کہا: جنگ بدر کے بعد ان کا حال بہت بُرا ہوگیا، کوئی مجھے اب نہیں بلا رہا ہے، رسول ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، اسی وقت حضرت حاطبؓ نے موقع غنیمت جانا اور اہل مکہ پر احسان کرنے کی غرض سے ایک خفیہ چٹھی لکھی کہ رسول ﷺ کا ارادہ اب تم پر حملہ کرنے کا ہے، تم پر حملہ ہونے والا ہے، سارہ مشرکہ لونڈی کو دس دینار امداد دے کر وہ خط حوالے کردیا اور اس خط کو چھپائے رکھنے کی تاکید کردی، رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اس چٹھی کی اطلاع دیدی اور بتلایا کہ وہ عورت اس وقت روضۂ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے جو مدینہ سے ۱۲ میل پر تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم کو گھوڑوں پر تیزی سے روانہ کردیا، ٹھیک اسی مقام پر اس عورت کو پکڑا اور اُسے اونٹ سے اتار کر تلاشی لی مگر کوئی چٹھی نہ ملی، انہوں نے آپس میں بات کی کہ رسول اللہ ﷺ کی کہی ہوئی کوئی بات غلط ہو ہی نہیں سکتی، عورت سے کہا: چٹھی حوالے کردے ورنہ تجھے برہنہ کرکے تلاشی لیں گے، آخرکار مشرکہ سارہ نے اپنے سر کے بالوں میں سے وہ چٹھی نکال کردیدی، جب وہ چٹھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پیش کی گئی تو رسول ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو طلب فرمایا اور چٹھی لکھنے کی وجہ دریافت کی، حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا: یارسول اللہؐ! حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں، کیونکہ اس نے اللہ ورسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے، راز فاش کرنا چاہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: حاطب! تمہیں کس چیز نے یہ حرکت کرنے پر آمادہ کیا؟ حضرت حاطبؓ نے

سچ سچ بتلاتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے، نہ میں منافق ہوں اور نہ مجھے دین میں کوئی شک اور نفاق پیدا ہوا، میرے ایمان میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی، صرف میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کر کے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرلوں، جبکہ مہاجرین کے کوئی نہ کوئی قبیلہ کے لوگ وہاں ہیں اور وہ ان کی حفاظت کرلیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کا بیان سن کر فرمایا: انہوں نے سچ کہا، ان کے معاملہ میں خیر کے سواء کچھ نہ کہو، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ بدری ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ بدری صحابہؓ کے دلوں سے خوب واقف ہے اور اللہ نے اہل بدر کے شرکاء کے بارے میں فرمایا ''اے اصحابِ بدر! تم چاہے جیسا عمل کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے''، رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سنتے ہی حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے فوراً کہا: اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ (بخاری)

اس طرح غلطی کرنے پر اللہ نے تمام مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ دشمنانِ اسلام سے اس طرح کا عمل کر کے ہمدردی حاصل نہ کریں، حفاظت کرنے والے تو اصل اللہ ہیں، وہ تمہارے ہر حال سے واقف ہے، باوجود حضرت حاطبؓ کے ایمان مضبوط ہونے اور اللہ و رسولؐ سے محبت ہونے کے شیطان نے انہیں جس طرح غفلت میں مبتلا کر کے کہ آخر رسول اللہ ﷺ سچے نبی ہیں، فتح تو انہی کی ہوگی، چٹھی بھیج کر راز فاش کر دیا جائے تو کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، گویا وہ اتنی بڑی غلطی کر رہے تھے کہ اگر وہ چٹھی پہنچ جاتی اور مشرکین مکہ کو جنگ کی اطلاع مل جاتی تو وہ کعبۃ اللہ کی مجاوری اور مکہ کی حفاظت میں خونریز جنگ لڑتے، اس سے کئی صحابہ بھی شہید ہو سکتے تھے اور وہ مشرکین مکہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لا کر دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دئے وہ قتل بھی ہو سکتے تھے، بیت اللہ کی عظمت واحترام اور بزرگی برباد ہو جاتی، پورے مکہ میں خون خرابہ اور قتل عام ہوتا، یقینی بات ہے کہ مکہ والے آسانی سے فتح حاصل ہونے نہیں دیتے تھے، اس لئے مسلمان اپنی دنیا کی غرض کی خاطر غیر مسلموں کے مخبر کبھی نہ بنیں، اس طرح کا عمل اسلام سے نکل جانے کا ہوگا۔

حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے واقعہ سے نصیحت

گناہ کی ابتداء کے بعد تمام انسانوں کو گناہ سکھانے اور کرنے میں حصہ دار بننا ہے:

قرآن مجید میں سورۃ المائدۃ آیت: ۲۷۔تا۔۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''آپ ان اہل کتاب کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا سچا قصہ بھی سنائیے، جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں کی گئی، اس نے کہا: میں تجھے مار ڈالوں گا، پہلے نے کہا: اللہ تو صرف متقیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے، اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف ہاتھ اٹھائے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، میں تو صرف اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ سب کچھ سمیٹ لے اور دوزخیوں میں سے ہو جا، ظالموں کے ظلم کی یہی سزاء ہے۔

بالآخر اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لئے آسان کر دیا اور وہ اُسے قتل کر کے ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں، پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کرید رہا تھا تا کہ اس قاتل کو بتلائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا افسوس میں اس کوّے سے بھی گیا گذرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا، اس کے بعد وہ اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس کسی نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سواء کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کا قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''۔

اس رکوع میں انسانی معاشرہ کو گناہ کبیرہ سے پاک کرنے اور بغیر کسی شرعی عذر کے کسی انسان کے قتل کو حرام کرنے کے لئے خاص طور پر حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کے درمیان کا سچا واقعہ بیان فرمایا اور بتلایا کہ انسان جب اللہ سے نڈر ہو جاتا ہے تو اس کا نفس شیطان کے حوالے ہو کر وہ اپنے ہی بھائی کے ساتھ جلن اور حسد میں مبتلا ہو کر اور انتہاء کو

پہنچ کر نفسانی خواہش کو پورا کرنے قتل تک کرڈالتا ہے۔

☆ حدیث میں ہے کہ جلن اور حسد نیکیوں کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

☆ جلن اور حسد کرنا گویا اللہ کے فیصلہ پر ناراضی اور غصہ کرنا اور اللہ کی دوسرے انسانوں کو عطا اور نعمتیں دینے پر ناراض ہونا ہے اور اللہ کے فیصلہ کو غلط سمجھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی آبادی کے پھیلنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو خصوصی طور پر یہ حکم دیا تھا کہ بی بی حوا علیہا السلام کے ذریعہ ایک حمل سے جولڑ کا لڑکی پیدا ہوں وہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہوں گے، ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکا لڑکی اس پہلے پیدا ہونے والوں کے لئے بھائی بہن نہیں ہوں گے؛ بلکہ پہلے پیدا ہونے والے لڑکے کا بعد میں پیدا ہونے والی لڑکی سے نکاح جائز ہے، اللہ کی آزمائش دیکھئے کہ قابیل کے ساتھ جولڑکی پیدا ہوئی وہ بے انتہاء خوبصورت و حسین تھی جو ضابطہ اور احکام کے لحاظ سے قابیل کی حقیقی بہن ہوتی تھی اور ہابیل کے ساتھ جولڑکی پیدا ہوئی وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھی، اس طرح وہ ہابیل کی حقیقی بہن بھی تھی جس کا نکاح قانون وشریعت کے لحاظ سے قابیل سے ہونا چاہئے تھا، اللہ نے قابیل کو امتحان میں ڈال دیا، قابیل کو وہ لڑکی پسند نہیں تھی اور وہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی خوبصورت لڑکی جو دستور کے مطابق اس کی حقیقی بہن تھی اسی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔

جب نکاح کی بات اٹھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے لحاظ سے اس کو قبول نہیں کیا اور دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا اور کہا کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرو جس کی قربانی قبول ہوجائے گی یہ پہلی لڑکی اس کے ساتھ نکاح میں دیدی جائے گی، حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ اسی کی قربانی قبول فرمائے گا جو حق پر ہے، یعنی ہابیل کی قربانی قبول ہوگی۔

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قربانی یا نذر کی قبولیت کا دستور تھا کہ قربانی کی چیز اونچے مقام پر رکھ دی جاتی، آسمان سے آگ آکر قبول ہونے والے کی قربانی کو جلا دیتی، ہابیل کے پاس بکریوں کا ریوڑ تھا، اس نے بہترین دنبہ اللہ کی نذر کیا، قابیل زراعت کرتا تھا، اپنی کھیتی کے غلہ میں سے ناکارہ قسم کا اناج قربانی میں رکھا، دونوں کی قربانی میں سے ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور وہ جلا دی گئی، قابیل اپنی اس توہین اور نذر کے قبول نہ ہونے پر مزید جلن وحسد میں مبتلا ہو گیا اور غصہ میں کہا کہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا تاکہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔

ہابیل نے اس وقت غصہ کا جواب غصہ سے نہیں دیا اور اُسے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ صرف متقی و پرہیز گار ہی کا عمل قبول کرتا ہے، تم تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی وہ قبول کرتا، قربانی اگر تمہاری قبول نہ ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو مگر میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اپنے اوپر کوئی گناہ لینا نہیں چاہتا، مجھ میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہمت نہیں، میں تمہاری اس دھمکی پر بھی (طیش میں آکر) تمہارے قتل کی کوشش نہیں کروں گا، تو میرے اور اپنے سب گناہ سمیٹ لے اور دوزخی بن جا، ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھکانہ ہے آخر کار قابیل پر نفس کا غلبہ بڑھا اور اس نے ہابیل کو ایک دن قتل کر دیا اور قیامت تک ہونے والے قتل کا ذمہ دار ٹھہر گیا اس لئے کہ اس سے پہلے انسان کو قتل کرنے کی کسی نے ہمت ہی نہیں کی اور نہ کسی کا قتل ہوا تھا، یہ زمین پر پہلا قتل تھا جس کی ابتداء قابیل نے کی، گویا قتل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا، قتل کرنے کے بعد پریشان ہو گیا، لاش کو چھپانے کی فکر شروع ہوئی، آخر کار اللہ نے ایک کوّے کو دکھایا جو اپنے پنجوں اور چونچ سے زمین میں گڑھا کھود رہا تھا اور وہ مردہ کوّے کو اس گڑھے میں ڈھکیل کر اس پر مٹی ڈال رہا تھا، قابیل یہ واقعہ دیکھ کر اپنی جی میں بڑا ذلیل ہوا کہ میں اس پرندہ سے بھی گیا گذرا ہوں، پچھتایا، تب اس کو احساس ہوا کہ اس نے اپنے بھائی کا قتل کر کے کتنی بڑی جہالت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے پہلے بیٹے قابیل کی گردن پر ضرور ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی اور ناپاک طریقہ جاری کیا۔ (مسند احمد) بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آدمؑ کے پہلے بیٹے پر اس خونِ ناحق کا ایک حصہ ہوگا۔

اس واقعہ کو سنا کر یہود کو خاص طور پر یہ احساس دلانا تھا کہ تم میں وہی خصلت اور حسد و جلن ہے جو قابیل میں تھی، تم بھی وہی رویہ رکھتے ہو جو قابیل نے انسانیت کا احترام کئے بغیر صرف اپنی نفسانی خواہش پر اپنے بھائی کو قتل کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرا اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کی، یہود رسول اللہ ﷺ کو بنو اسماعیل میں پیغمبر بنائے جانے اور آپ کو رسالت میں ان پر افضلیت ہونے کی وجہ سے مشرکین کا ساتھ دے کر رسول اللہ ﷺ کو اور صحابہؓ کو قتل کرنا چاہتے تھے، ان کی یہ خصلت اور جلن نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی بلکہ آج چودہ سو سال سے وہی صفاتِ رذیلہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں، یعنی آج تک وہ اہل حق اور اللہ والوں کے ساتھ ویسی ہی ذہنیت رکھتے ہیں جیسی قابیل کی تھی، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسان حضرت آدمؑ ہی کی اولاد ہیں، سب انسان بھائی بھائی ہیں۔

حضرت آدمؑ کے ان بیٹوں کے واقعہ میں یہ سبق بھی دیا جا رہا ہے کہ ایک متقی اور پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے کے پاس انسانیت کی جان و مال کا احترام بہت زیادہ ہوتا ہے، وہ کسی کو بغیر شرعی عذر کے قتل اور تکلیف پہنچانے کی ہمت بھی نہیں کرتا اور نہ قتل کر کے قاتل کے گناہ اپنے سر لیتا ہے، وہ دنیا کے تمام انسانوں کی بقاء و سلامتی اور تحفظ کی فکر کر کے مدد کرنا چاہتا ہے، وہ انسانوں کے لئے رحمت بنتا ہے ظالم نہیں۔

اس کے برعکس جو انسان صفاتِ رذیلہ رکھتا ہے وہ شیطان کا ساتھی بن کر اپنی بد اعمالیوں سے یہ ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس نیکی، تقویٰ اور اللہ کے حکم کا احترام اور اللہ کی اطاعت کی کوئی قدر و اہمیت نہیں، وہ اپنی نفسانی خواہش پر نفس کا بندہ بن جاتا ہے اور نفس کی غلامی میں اللہ کے بتائے ہوئے احکام کو توڑ کر اپنی مرضی پوری کرتا ہے، اس کو سوائے اپنے

کسی سے کوئی ہمدردی کا جذبہ اور محبت نہیں ہوتی یہاں تک کہ اپنے بھائی تک سے ہمدردی نہیں رکھتا، یہی حال آج یہود ونصاریٰ کا ہے، ان کے لئے ساری انسانیت کے لاکھوں انسانوں کا قتل کرنا کوئی اہمیت وحیثیت ہی نہیں رکھتا، دوسروں کے مال لوٹتے، ملکوں پر قبضہ کرتے، سونا چاندی، پٹرول لوٹتے، ہتھیاروں اور اپنی تجارتوں کو ترقی دیتے، ملکوں کو لڑاتے، اپنے مفاد کی خاطر وہ انسانیت کا قتل عام کرتے اور اپنی حرکتوں سے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے پاس انسانی زندگی کی بقاء کا کوئی احترام نہیں، حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ دنیا کی تمام اقوام بھی حضرت آدمؑ کی اولادیں ہیں، سب ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے، مگر یہ لوگ ان کے مال ودولت، اقتدار وحکمرانی اور خوشحالی پر رال ٹپکاتے ہیں اور باوجود حق نہ ہونے کے اللہ کے احکام کے خلاف فساد وظلم برپا کرتے ہیں، اپنی وقتی طاقت وقوت سے کمزوروں کو لوٹتے اور قتل کرتے ہیں، جس طرح قابیل نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا۔

یہ دونوں بیٹوں کے واقعہ کو قرآن مجید میں بیان کر کے قیامت تک آنے والے انسانوں کو عبرت ونصیحت دی جارہی ہے کہ اللہ کے احکام اور ضابطہ کے تحت زندگی گذارنے میں کامیابی ہے، اللہ کے احکام کے خلاف نفسانی خواہشات کے تحت ناحق کسی انسان کی جان ومال نہ لوٹی جائے اور نہ قتل کیا جائے، ایک انسان کا قتل کرنا گویا پوری انسانیت کا قتل کرنے کے برابر ہے اور جو انسان برائی اور گناہ میں ساتھ دے گا یا گناہ کا طریقہ ایجاد کرے گا وہ بعد میں آنے والوں کے اس گناہ پر عمل کرنے کا گناہ بھی اپنے لئے جمع کرے گا۔

یہ دونوں بھائیوں کا واقعہ دیندار، متقی وپرہیزگار اور دنیادار، نافرمان اور نفس کے غلام انسانوں کے مزاج، طبیعت، اخلاق وعادات، کردار اور ذہنیت کی کھلی مثال ہے، اس قسم کے واقعات بے شعور دنیادار اکثر مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں، سگے وحقیقی بھائی، رشتہ دار، دوست احباب، یا اپنے مسلمان بھائی کی ترقی، اولاد کی تعلیم وتربیت اور قابلیت، عہدہ وکرسی، دولت وعزت، خوشحالی، حسن وخوبصورتی، نوکر چاکر کو دیکھ کر اکثر بے شعور مسلمان حسد وجلن میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے ان کو

نقصان پہنچاتے ہیں، اکثر تاجر ایک دوسرے سے حسد و جلن بہت زیادہ کرتے ہیں، یہ واقعہ ایسے ہی بے شعور لوگوں کو اپنے نقصانِ عظیم سے بچانے اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اکثر لوگ خوبصورت لڑکیوں یا قابل لڑکیوں پر نظر رکھ کر ان کا پیغام دوسرے گھروں میں جمنے نہیں دیتے اور مجبور کر کے اپنی اولاد سے رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس واقعہ میں ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ انسان کو دنیا کی اس امتحانی زندگی میں نیکی یا بدی کرنے کی پوری پوری آزادی دی گئی ہے، اگر وہ چاہے تو نیکی کے پودے لگا کر جائے یا بدی اور گناہ کے پودے لگا کر جائے، انسان کے مرنے کے بعد اس کا اپنا ذاتی عمل کرنے کا میدان تو ختم ہو جائے گا، مگر اس کی محنت سے جتنے لوگ نیکی سیکھیں گے یا بدی میں مبتلا رہیں گے اور انسانوں کے ذریعہ نیکی و بدی کے اثرات قیامت تک چلتے رہیں گے تو بعد میں عمل کرنے والوں کے اچھے بُرے اعمال کے اثرات اس پہلے سکھانے والے کے نامۂ اعمال میں بھی جمع ہوں گے، اس کو اپنی نیکی یا برائی کی محنت کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

اس واقعہ میں دنیا کے تمام انسانوں کو جو قیامت تک آنے والے ہیں، خاص طور پر انسانی زندگی کا احترام سکھایا جا رہا ہے اور یہ تعلیم دی گئی کہ جو کوئی بغیر کسی وجہ کے کسی انسان پر ظلم و زیادتی کر کے اس کا قتل کرے گا یا برائی ایجاد کرے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔

☆ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: اگر آسمان اور زمین والے مل کر کسی ایمان والے کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھا کر کے آگ میں ڈالے گا۔ (ترمذی)

☆ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمانوں نے تلوار سے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں، لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! قاتل تو دوزخی ہوا مگر مقتول دوزخی کیوں ہو گیا؟ فرمایا: اس نے بھی اپنے ساتھی یعنی مدّ مقابل کے قتل کا ارادہ کر رکھا تھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایسے غیر مسلم کو جس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے عمداً بلا کسی وجہ کے اس کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی۔ (ابوداؤد، نسائی)

دین میں بدعات وگمراہی پیدا کرنے والوں کی تباہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے؛ بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی کی جائے، اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کوئی کمی کی جائے گی۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا، یہ ان کے اجروں سے کچھ کمی نہیں کرے گا، اور جو کسی کو کسی گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا وبال بھی ہوگا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو گناہ کرنے کا ہوگا، یہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (مسلم)

حضرت بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ہمارے اس دین میں وہ کام جاری کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔ (بخاری ومسلم)

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ''دین میں اضافہ کرنا گویا دین کو ناقص سمجھنا ہے''، انسان بدعات کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو مٹاتا رہتا ہے، بدعات کی وجہ سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے اور دین اصلی حالت میں نظر نہیں آتا۔

دین میں بدعات اور گمراہی ایجاد کرنے والوں کو، زنا، ناچ گانا اور گالی گلوچ کرنے والوں کو اور اپنی نسلوں میں یہود ونصاریٰ کا کلچر سکھانے والوں کو ان احادیث کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ان کے لئے کیسی بربادی ہے، وہ انسانوں کو گمراہی سکھا کر اپنے بعد کے تمام لوگوں کا گناہ سمیٹ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جھوٹی تہمت کے واقعہ سے نصیحت

بغیر تحقیق کے ایمان والے کسی پر الزام و تہمت نہ لگائیں!

سورۂ نور آیت: ۱۱۔تا۔۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم ہی کے اندر کا ایک ٹولہ ہے، اس واقعہ کو اپنے لئے شر نہ سمجھو، بلکہ یہ بھی تمہارے لئے خیر ہی ہے، جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اتنا ہی گناہ کمایا اور جو اس تہمت کے بڑے حصہ کا ذمہ دار بنا اس کے لئے عذابِ عظیم ہے، جب تم لوگوں نے یہ قصہ سنا تھا تو اسی وقت مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنے دل میں (بطورِ نیک گمان) اچھی بات کیوں نہ سوچی؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو سراسر بہتان ہے، پھر یہ تہمت لگانے والے اس پر چار گواہ کیوں نہ لا سکے؟ اب جبکہ یہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی پاداش میں تمہیں عذابِ عظیم آ پکڑتا اور جب تم اپنی زبانوں سے اس بہتان کو پھیلا رہے تھے تو تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم ہی نہیں تھا اور تم اُسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی، جب تم نے یہ قصہ سنا تھا تو تم نے یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیبا نہیں دیتا، اللہ پاک ہے! یہ تو ایک بہتان عظیم ہے، اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مؤمن ہو، اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والے گروہ میں بے حیائی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں، اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو یہ چیز جو تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج دکھا دیتی۔

اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور جو شخص شیطان کی پیروی کرے

گا تو وہ اُسے بے حیائی اور برے کاموں کا حکم دے گا''۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو سنے اُسے (بغیر تحقیق کئے) بیان کردے۔ (مسلم)

واقعۂ افک سے ایمان والوں کی تربیت کی گئی:

سورۂ نور کی آیات ۱۱۔تا۔۲۱ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگائی گئی جھوٹی تہمت اور الزام کے واقعہ کی براءت کو ظاہر کیا گیا اور اس کے ذریعہ ایمان والوں کو ظاہری حالات یا سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے یا بغیر تحقیق اور ثبوت کے صرف افواہوں پر یقین کر کے کسی کی پاکدامنی، عزت وعصمت اور مقام ومرتبہ کو برباد کرنے سے سختی سے روکا گیا، اگر کوئی جھوٹی تہمت لگائے اور ان افواہوں کو پھیلائے تو اس کو دنیا کے اعتبار سے ۸۰/کوڑوں کی سزاء بتلائی گئی ہے اور مرنے کے بعد عذاب عظیم سنایا گیا، اس واقعہ کے ذریعہ ایمان والوں کو فحش اور بے حیائی کی افواہوں کو پھیلانے سے سختی کے ساتھ روکا گیا اور اس قسم کی افواہوں پر ایمان والوں کا کیا مزاج اور عمل ہونا چاہئے اس کی تربیت کی گئی۔

عام طور پر بے شعور لوگ معاشرہ میں چوری، زنا، قتل، غیبت، تہمت، بہتان وغیرہ کے الزامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر کسی کو بھی شک کی بنیاد پر مجرم ٹھہرا دیتے ہیں اور افواہ پھیلا دیتے ہیں، اس سے شریف پاکدامن انسان کی زندگی تباہ وبرباد ہوجاتی ہے، عام طور پر جب عورتوں کی تربیت نہیں کی جاتی تو وہ مردوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تجسس میں مبتلا ہوکر آپس میں افواہیں پھیلاتی ہیں، سنی سنائی باتوں کا خوب چرچا کرتیں اور گناہوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، اس لئے مسلمان عورتوں کو خاص طور پر احتیاط برتنا ضروری ہے۔

بی بی عائشہؓ پر جو تہمت لگائی گئی اس پر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی پاکدامنی کا اظہار قرآنی وحی سے ہٹ کر بھی وحی نازل کر کے بیان کرسکتا تھا، مگر قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ کر کے باقاعدہ بہت سے معاشرتی احکام وآداب کی تعلیم دی ہے اور ایمان والوں کو معاشرتی آداب سکھایا ہے، اس لئے سورۂ نور اور سورۂ نساء کے مضامین کو

عورتوں کو خاص طور پر اچھی طرح سنا کر واقف کروایا جائے اور خاص طور پر یہ سمجھایا گیا کہ شیطان بے حیائی و بے شرمی سکھاتا اور پھیلاتا ہے، ایمان سے خالی انسان اس کے ساتھی بن کر معاشرہ کو بے حیاء و بے شرم اور گندا و ناپاک بنا دیتے ہیں، اللہ والوں پر اس کا داؤ نہیں چل سکتا، اس لئے ایمان والے ہر وقت ہوش کے ساتھ زندگی گذاریں۔

واقعۂ افک کا مختصر بیان:

تفسیر مظہری، معارف القرآن اور قصص الانبیاء میں ہے کہ ۵ھ ہجری شعبان میں جب رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ سے واپس ہو رہے تھے تو اس وقت مدینہ سے قریب رات کے وقت پڑاؤ ڈالا تھا، پھر آخری شب کوچ کا حکم دیا، بی بی عائشہؓ یہ سن کر فوراً رفع حاجت کے لئے عجلت میں گئیں، واپسی پر گلے میں ہار نہ پایا، اس کو تلاش کرنے پھر واپس چلی گئیں، اسی وقت جو جماعت ہودج کو اونٹ پر سوار کراتی تھی اس نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور سمجھا کہ بی بی عائشہؓ اس میں آچکی ہوں گی، اس زمانہ میں آپؓ بہت دبلی پتلی اور ہلکی تھیں اس لئے ہودج میں موجود نہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا، بی بی عائشہؓ جب واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا اور ہار بھی ہودج کے قریب ہی مل گیا، آپ پریشان ہو کر اسی جگہ بیٹھ گئیں، رات کا آخری حصہ تھا، سحر نمودار ہونے والا تھا، آنکھ لگ گئی۔

حضرت صفوانؓ کی ذمہ داری:

ادھر حضرت صفوان بن معطل ہیثمیؓ کو یہ ذمہ داری تھی کہ قافلہ چلنے کے بعد قافلہ کے پیچھے جو بھی چیز قافلہ والوں کی چھوٹ جائے اس کو لیتے ہوئے آئیں، اس لئے وہ قافلہ چلے جانے کے بعد پوری جگہ کی تلاشی لیکر نکلتے تھے، انہوں نے تلاشی کے وقت دور سے محسوس کیا کہ میدان میں کوئی انسان ہے، قریب آئے تو بی بی عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ وہ حجاب کے حکم سے پہلے ان کو دیکھ چکے تھے، فوراً قریب آ کر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فوراً بغیر بات کئے اونٹ لا کر بیٹھا دیا، بی بی عائشہؓ بیدار ہو گئیں، اپنے آپ کو سمیٹ کر بیٹھ گئیں اور مجبوری کی حالت میں خاموشی کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گئیں،

حضرت صفوانؓ پیدل پیدل مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے، دو پہر کے قریب لشکر میں جا ملے، جب یہ خبر عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوئی تو منافقوں کی جماعت نے موقع غنیمت جانا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل وعیال کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹا بہتان پھیلا دیا، مگر صحابہؓ میں سے کسی نے اس بات پر یقین نہیں کیا، صرف تین مسلمان دو مرد اور ایک عورت حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم غفلت میں آکر منافقین کے جال میں پھنس گئے، بعض وقت اشرار اس درجہ تشہیر کرتے ہیں کہ سادہ لوح انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

اس واقعہ کا نام خود اللہ نے افک رکھا:

☆ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے خود لفظ ''افک'' سے بیان کیا ہے، جو جھوٹ، تہمت اور افتراء کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے، اس کے معنیٰ ہیں الٹ دینا، حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا، یہ بہتان کی افواہ ایک مہینے تک اڑتی رہی۔

بی بی عائشہؓ صدیقہ کو تہمت اور بہتان کی خبر ہی نہیں تھی:

بی بی عائشہؓ صدیقہ خود فرماتی ہیں کہ سفر سے واپسی کے بعد میری طبیعت کچھ خراب سی ہوگئی، سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ لطف وکرم میرے ساتھ نہ تھا جو ہمیشہ رہتا تھا، اس عرصہ میں آپ گھر تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر خیریت دریافت کر لیتے اور واپس چلے جاتے، مجھے قطعی اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ میرے بارے میں کیا افواہیں پھیلائی جارہی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے اس سلوک کا راز مجھ پر نہ کھل سکا، اسی غم میں گھلنے لگی، ایک روز اپنی بیماری کی وجہ سے حضرت مسطحؓ صحابی کی والدہ حضرت ام مسطحؓ کو ساتھ لیکر میں قضاءِ حاجت کے لئے باہر گئی، کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا، واپسی پر ام مسطحؓ کو ٹھوکر لگی، اس وقت ان کی زبان سے بیٹے کے لئے بددعائی کلمات نکلے، میں نے بڑے تعجب سے پوچھا: تم ایک نیک آدمی جو بدری صحابی ہے کو بُرا کہتی ہو، اس پر ام مسطحؓ نے تعجب سے کہا: بیٹی کیا تم کو معلوم نہیں مسطحؓ میرا بیٹا

کیا کہتا پھرتا ہے؟ میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ تب انہوں نے مجھے پورا واقعہ اہل افک کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اس میں شریک ہونا بیان کیا، حضرت عائشہؓ یہ سن کر مزید پریشان اور بیمار ہوگئیں، جب گھر واپس آئیں تو حسب معمول رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، سلام کیا اور مزاج پرسی فرمائی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مانگی، آپؐ نے اجازت دیدی، منشاء یہ تھا کہ والدین کے سامنے اس واقعہ کی صفائی پیش کروں، جا کر والدہ کو پورا حال سنایا، والدہ نے تسلی دی اور کہا کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور بدنام کرنے کے لئے ایسی چیزیں مشہور کرتے ہیں، تم اس کے غم میں نہ پڑو! اللہ سچائی ظاہر کردے گا، میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہو چکا ہے اس پر میں کیسے صبر کروں؟ میں بس روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمتے اور نہ آنکھ لگتی، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ اس خبر کے پھیلنے سے سخت پریشان اور غمگین تھے، اس عرصہ میں اس تعلق سے کوئی وحی بھی آپؐ پر نہ آئی تھی۔

بدنامی کے بعد والدین سے مدد لینے کا خیال:

میں روتی رہی، میرے والدین ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ نہ جائے، میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، جب سے یہ واقعہ پھیلا آپؐ میرے پاس آ کر نہ بیٹھے تھے، پھر فرمایا: اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں باتیں پہنچی ہیں، اگر تم برائی نہ کی ہو تو اللہ ضرور تمہاری پاکدامنی کو ظاہر کردے گا اور اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف اور توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات پوری فرمائی تو میرے آنسو بالکل خشک ہوگئے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ بھی نہ رہا، میں نے اپنے والد حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی عذر کردیا کہ میں حیران ہوں کیا کہوں، اب مجبوراً مجھے

ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی، اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی، اس رنج وغم کی حالت اور صدمہ میں میں نے کہا:

حضرت عائشہؓ کا فصیح وبلیغ انداز میں جرم سے انکار:

''بخدا! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپؐ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں وہ بیٹھ گئی ہے اور آپ نے اس کی عملاً تصدیق کر دی، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں خواہ مخواہ ایسی بات کا اعتراف کرلوں جو میں نے نہیں کیا اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے برائی نہیں کی تو آپ میری بات مان لیں گے، واللہ! اب میرے لئے اس حالت پر اس کے سواء اور کوئی چارہ نہیں کہ میں وہی بات کہوں جو حضرت یوسفؑ کے والد نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی تھی کہ ''میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں، اور اللہ سے اس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو''۔

اتنی بات کہہ کر میں الگ بستر پر جا کر لیٹ گئی، دوسری طرف کروٹ لے لی اور فرمایا کہ میں دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے، وہ ضرور حقیقت ظاہر کر دے گا، لیکن یہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے حق میں اللہ تعالیٰ قرآن کی آیات نازل فرمائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی، کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم تر محسوس کرتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے، البتہ یہ خیال کرتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں میری بے گناہی ظاہر کر دے گا۔

حضرت عائشہؓ کی بے گناہی پر وحی کا نزول:

رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی اس مجلس سے نہیں اٹھے تھے اور گھر والے بھی کوئی نہیں اٹھے تھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہوئی، کچھ دیر بعد آپؐ ہنستے ہوئے اٹھے سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا: اے عائشہ خوشخبری ہو! اللہ نے تمہاری بے گناہی ظاہر فرما دی، میری والدہ نے کہا: کھڑی ہو جاؤ! اور رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا: میں اس معاملہ میں کسی کا شکریہ ادا نہیں کروں

گی، نہ رسول اللہ ﷺ کا اور نہ آپ لوگوں کا، میں صرف اللہ کا شکر ادا کروں گا، اسی کا احسان مانتی ہوں کہ اسی نے مجھے بَری فرمایا، آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہیں کیا۔

تہمت لگانے کے باوجود معاف کر کے حسن سلوک کیا گیا:

اس تہمت کے پھیلانے والوں کو سزاء دی گئی، پھر اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق دی اور ان کی توبہ قبول فرمائی، حالانکہ دونوں مرد صحابی بدری تھے، حمنہ بنت جحشؓ یہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی حقیقی بہن تھیں، اپنی بہن کی خاطر سوکن کو بدنام کر رہی تھیں، مگر حضرت زینبؓ نے اپنی سوکن کے حق میں کلمہ خیر ہی کہا، جن کا سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ سے مقابلہ رہتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تو کہا: یارسول اللہؐ! خدا کی قسم! میں ان کے اندر بھلائی کے سواء اور کچھ نہیں جانتی۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے افواہ پھیلانے میں نمایاں حصہ لیا مگر حضرت عائشہؓ ہمیشہ ان کے ساتھ عزت و تواضع ہی سے پیش آتی رہیں، لوگ ان کو یاد دلاتے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے آپ کو بدنام کیا تھا تو یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیتیں کہ وہ بدری ہیں اور دشمن اسلام شعراء کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی طرف سے منہ توڑ جواب دیا کرتے تھے، وہ جب آپؓ کے پاس آتے تو عزت و تعظیم سے بیٹھاتی تھیں۔

غصہ و نفس کی اطاعت میں غریبوں کی امداد روکنے سے منع کیا گیا:

اس واقعہ میں ایک اہم تعلیم یہ دی گئی کہ سنی سنائی جھوٹی افواہوں پر حضرت مسطحؓ بھی جو حضرت ابوبکرؓ کے قریبی رشتہ دار تھے جن کو حضرت ابوبکرؓ ہر ماہ کچھ وظیفہ دیا کرتے تھے، وہ بھی اپنے محسن کا احسان یاد نہ رکھ کر ناشکری کر بیٹھے اور اس افواہ کو پھیلانے میں اپنی زبان استعمال کر دی اور عام طور پر واقعات کو دیکھے بغیر بعض انسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ جھوٹے الزامات کو سچ جان کر پورے یقین کے ساتھ ایک شریف انسان کے کردار کو افواہیں پھیلا کر لوگوں میں اس کو بدنام کر دیتے ہیں، مسطحؓ بھی بغیر سوچے سمجھے اس جرم میں پھنس گئے، پھر بعد میں اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق دی اور ان کی توبہ قبول کر کے ان کو اس جرم سے پاک کیا۔

چنانچہ جھوٹا الزام پھیلانے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت مسطحؓ کی ماہانہ امداد بند کردینے کی قسم کھائی، اس پر اللہ تعالیٰ تمام ایمان والوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ ہر کام اللہ کے لئے کرتے رہو اور انسانوں کی غلطیوں کو معاف کردو، نفس کی اطاعت مت کرو، اگر انجانے اور غفلت اور بے شعوری سے کسی انسان سے غلطی ہوجائے تو وہ غریبوں اور محتاجوں کو اس کی سزاء کے طور پر امداد بند نہ کریں، ان کو معاف کردیں، جس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کی بہت ساری غلطیوں کو معاف کرتا رہتا ہے اسی طرح اگر وہ چاہتے ہیں کہ اللہ ان پر بھی رحم کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت عفو و درگذر کی نقل کرتے رہیں، جب حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایات سنائی گئیں تو انہوں نے فوراً توبہ کرکے حضرت مسطحؓ کی امداد جاری کردی اور دوگنی کردی۔

مکی زندگی میں مشرکین مکہ نے صحابہؓ کو ستایا اور قتل کیا، ان کا مال لوٹ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین تنگ کردی اور وہاں رہنے نہیں دیا، قتل کا منصوبہ بنایا، مدینہ جانے کے بعد بھی سکون سے رہنے نہیں دیا، جنگ پر جنگ کرنے آنے لگے، ہجرت کے بعد مکہ میں زبردست قحط پڑا، لوگ پتے اور چھال اوبال کر کھا کر پیٹ بھرنے لگے، بچے بھوک پیاس سے روتے تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو دینار ابوسفیانؓ کے پاس مکہ بھیجا اور کہا کہ مصیبت زدہ قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کریں، اسی زمانہ میں حضرت ثمامہؓ کے پاس سے مکہ کو گیہوں آتا تھا انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ والوں کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرارتوں پر گیہوں بند کردیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثمامہؓ کو گیہوں دینے کے لئے خط لکھا۔

اس واقعہ سے رسول ﷺ کو علم غیب نہ ہونے کی تعلیم ملتی ہے:

اکثر بے شعور مسلمان غلو میں آکر رسول اللہ ﷺ کو علم غیب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اہل سنت والجماعت کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ نے انہیں علم دیا تھا، غیب کی جو باتیں اللہ نے بتلائیں وہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے

بتلانے کے بعد جانا، چنانچہ اس واقعہ میں بھی رسول اللہ ﷺ وحی آنے تک پریشان رہے اور جھوٹے الزام اور تہمت کو غلط ثابت نہ کر سکے۔

بہتان پر صحابہؓ نے انصاف کے ساتھ اظہار خیال کیا:

سچائی جاننے کے لئے آپؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ جہاں تک میرا علم ہے ہمیشہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں رہی، ان کی کوئی بات اور عمل ایسا نہیں جس سے بدگمانی پیدا ہوتی ہو، آپؐ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: آپؐ کی پریشانی رفع ہونے کے لئے حضرت بریرہؓ جو حضرت عائشہؓ کی کنیز ہیں ان سے ان کے حالات کی تحقیق فرمالیجئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے دریافت کیا تو وہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ میں کوئی بات عیب کی مجھے نظر نہیں آتی، صرف یہ کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، بعض وقت آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں اور سو جاتی ہیں تو بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے، حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو رنج واضطراب میں دیکھ کر یہ مشورہ دیا کہ اللہ نے آپؐ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی، اگر افواہوں کی بناء پر حضرت عائشہؓ کی طرف سے کچھ تکلیف ہوگئی ہے تو عورتیں اور بہت ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ان کی بیوی نے جب افواہوں کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے: ام ایوب! اگر تم عائشہؓ کی جگہ ہوتیں تو کیا ایسا فعل کرتیں؟ وہ بولیں: خدا کی قسم! یہ حرکت ہرگز نہ کرتی، تب حضرت ابوایوبؓ نے کہا: تو حضرت عائشہؓ تم سے بدرجہا بہتر ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت صفوانؓ کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا، حضرت صفوانؓ تو مجھ سے اچھے مسلمان ہیں۔

چنانچہ ہر ایمان والے کو بھی کسی کا قتل، چوری، زنا، الزام تراشی میں بغیر دیکھے الزام نہیں دینا چاہئے، اچھا گمان رکھتے ہوئے صحابہؓ کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے، بغیر سوچے سمجھے افواہیں نہیں پھیلانا چاہئے۔

زندگی کے کاروبار میں یا تہمت کی غلط فہمی پیدا ہو جائے تو اُسے دور کرنا چاہیے:

ایمان والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی میں غفلت کے ساتھ زندگی نہ گذاریں اور کبھی اپنے کسی عمل سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو فوراً اُسے دور کریں۔

☆ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک رات آپؐ سے کچھ ضروری بات کرنے ام المؤمنین حضرت صفیہؓ ملنے آئیں، واپسی پر رسول اللہ ﷺ ان کو الوداع کرنے کے لئے کچھ دور دروازے تک تشریف لائے، راستہ میں اندھیرا تھا، دو مدنی صحابہؓ کا گذر وہاں سے ہوا، جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو دیکھے تو سلام کر کے تیز تیز چلنے لگے، نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو پکارا اور ٹھہرنے کو کہا اور بتلایا کہ یہ میری بیوی صفیہؓ ہیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپؐ کی ذات اقدس کے تعلق سے بھلا ہمارے ذہن میں کوئی شک اور شائبہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی شر پیدا نہ کردے۔

☆ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ دروازے کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے سلام کر کے دریافت فرمایا: آپ دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں؟ کہا: ہاں! گھر میں بیٹی اکیلی ہے، جب مرد اور عورت اکیلے ہوتے ہیں ان کے بیچ میں شیطان آجاتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرد جب کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ایک ساتھ ہوتے ہیں تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

☆ اگر عورت گھر میں اکیلی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر سفر میں ہوں، اس لئے کہ ایسے وقت شیطان خون کی طرح رگوں میں دوڑتا ہے۔ (ترمذی)

☆ روایت میں ہے کہ قبیلہ بنو لیث کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے چار مرتبہ زنا کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے لگوائے، اس لئے کہ وہ کنوارا تھا، پھر عورت کے متعلق

شہادتیں طلب کی گئیں تو ثابت یہ ہوا کہ ملزم نے جھوٹ بولا ہے، عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میں قسم کھاتی ہوں اللہ وحدہ لاشریک کی! کہ یہ شخص جھوٹا ہے، اس نے مجھے رسواء (بدنام) کرنے کے لئے یہ غلط بیانی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دوسری سزا تہمت کی دی اور کوڑے لگوائے۔ (ابوداؤد)

☆ براءت ظاہر ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت کی افواہ پھیلانے والے دو مردوں اور ایک عورت پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

☆ بچوں کے عقل اور فہم کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب کے ضخیم ہوجانے کے ڈر سے مضامین کو مختصر کردیا گیا ہے، انشاء اللہ حصہ دوم میں قرآن مجید کے دوسرے واقعات پر سلسلہ جاری رہے گا۔

☆ اپنے بچوں کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کروانے اور کائنات میں غور و فکر کا عادی بنا کر اللہ تعالیٰ کی محبت، ڈر خوف، جواب دینے کا احساس پیدا کرنے اور ان میں شعوری ایمان کو بڑھانے کے لئے ہماری کتاب ''تعلیم الایمان'' کے تمام حصے ضروری خود بھی پڑھئے اور اپنے بچوں کو ہر روز ایک ایک دو دو صفحات سنا کر گھروں میں مذاکرہ کے ذریعہ ذہن سازی کیجئے اور قرآن مجید کے فہم کو عام کرنے اور قرآن مجید کا شوق دلانے کے لئے اس کتاب کو رشتہ داروں اور دوست احباب میں تحفہ دے کر تبلیغ کیجئے۔

☆ اس کتاب پر اپنے تأثرات حسب ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

MOHAMMED MUJAHID AHMED
#: 10-5-8/8/A/8, Ahmed Nagar Road,
Masabtank, Hyderabad 28. T.S.
Cell: 9966992308, 9391399079